قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

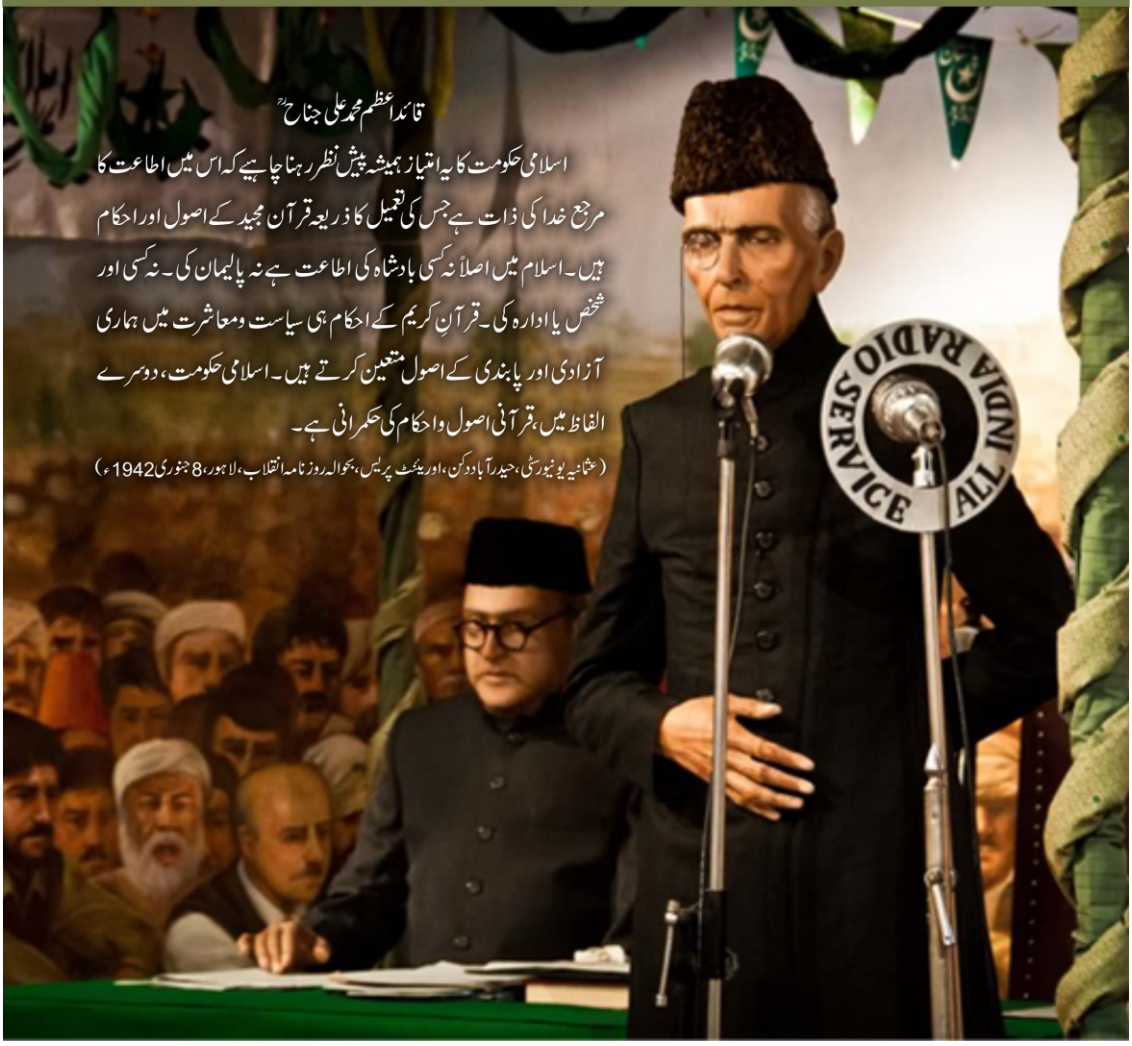
اشاعت کا تہترواں سال

ماہنامہ طلوعِ اسلام

لاہور

دسمبر 2016ء

علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ کی خواہش پر 1938ء سے شائع ہونے والا ماہنامہ



قائداعظم محمد علی جناحؒ

اسلامی حکومت کا یہ امتیاز ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہیے کہ اس میں اطاعت کا مرجع خدا کی ذات ہے جس کی تعمیل کا ذریعہ قرآن مجید کے اصول اور احکام ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ پالیمان کی۔ نہ کسی اور شخص یا ادارہ کی۔ قرآنِ کریم کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے اصول متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت، دوسرے الفاظ میں، قرآنی اصول و احکام کی حکمرانی ہے۔

(عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد دکن، اوریئنٹ پریس، بحوالہ روزنامہ انقلاب، لاہور، 8 جنوری 1942ء)

طلوعِ اسلام کا مقصد

جو احباب طلوع اسلام سے تعارف نہیں رکھتے ان کی آگاہی کے لئے ہم طلوع اسلام کے مقصد کو وقتاً فوقتاً سامنے لاتے رہتے ہیں:

1- تنہا عقل انسانی زندگی کے مسائل کا حل دریافت نہیں کر سکتی۔ اسے اپنی راہنمائی کے لئے اسی طرح وحی کی ضرورت ہے جس طرح آنکھ کو سورج کی روشنی کی ضرورت۔

2- خدا کی طرف سے عطا شدہ وحی اپنی آخری اور مکمل شکل میں قرآن کریم کے اندر محفوظ ہے جو تمام نوع انسانی کے لئے ابد تک ضابطہ ہدایت ہے۔ لہٰذا اب نہ خدا کی طرف سے کسی کو وحی مل سکتی ہے نہ کوئی نبی یا رسول آ سکتا ہے۔ قرآن کریم خدا کی آخری کتاب اور حضور رسالتمآب ﷺ خدا کے آخری نبی اور رسول ہیں۔

3- قرآن کریم کا ہر دعویٰ علم پر مبنی ہے اور اس کے حقائق زمان و مکان کی حدود سے ماوراء ہیں۔ قرآنی حقائق کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ جس حد تک انسانی علم ترقی کر چکا ہے وہ انسان کے سامنے ہو اور چونکہ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ خدا نے تمام کائنات انسان کے لئے تابع تسخیر کر رکھی ہے اس لئے خدائی پروگرام کو پورا کرنے کے لئے کائناتی قوتوں کی تسخیر ضروری ہے۔

4- نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ مقدسہ، شرف و عظمت انسانیت کی معراج کبریٰ ہے۔ یہی وہ پاکیزہ سیرت ہے جو تمام نوع انسانی کے لئے اسوۂ حسنہ (بہترین نمونہ) ہے۔ حضور ﷺ کی سیرت طیبہ کا جو حصہ قرآن کریم کے اندر محفوظ ہے اس کے قطعی یا یقینی ہونے میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں۔ باقی رہا وہ حصہ جو قرآن سے باہر ہے سو اس میں اگر کوئی بات ایسی ہے جو قرآن کے خلاف جاتی ہے یا جس سے حضور ﷺ پر (معاذ اللہ) کسی قسم کا طعن پایا جاتا ہے تو ہمارے نزدیک وہ بات غلط ہے۔ اسے حضور ﷺ کی طرف منسوب نہیں کرنا چاہئے۔ یہی اصول صحابہ کبارؓ کی سیرت مقدسہ کے سلسلہ میں بھی سامنے رکھا جانا چاہئے۔ جہاں تک حدیث کا تعلق ہے ہم ہر اس حدیث کو صحیح سمجھتے ہیں جو قرآن کریم کے مطابق ہو یا جس سے حضور نبی اکرم ﷺ یا صحابہ کبارؓ کی سیرت داغدار نہ ہوتی ہو۔

5- دین کا مقصد یہ ہے کہ وہ انسانوں کو دوسرے انسانوں کی محکومی سے چھڑا کر ان سے خالص قوانین خداوندی کی اطاعت کرائے۔ قوانین کی یہ اطاعت ایک نظام مملکت کی رو سے ہو سکتی ہے اس کے بغیر دین (جو نظام زندگی کا نام ہے) متمکن نہیں ہو سکتا۔

6- رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے دین کا نظام قائم فرمایا۔ اس نظام میں قرآن کریم کے احکام و قوانین کی اطاعت کرائی جاتی تھی اور جن امور میں قرآن کریم نے صرف اصول دیئے ہیں، ان کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے امور مملکت امت کے مشورہ سے سرانجام پاتے تھے۔

7- رسول اللہ ﷺ کے بعد دین کا وہی نظام حضور ﷺ کے خلفائے راشدینؓ نے جاری رکھا۔ اس میں امور مملکت سرانجام پانے کا وہی طریقہ تھا جو

بقیہ صفحہ نمبر 66 پر

جلد 69 | شمارہ نمبر 12 | دسمبر 2016ء

ماہنامہ طلوعِ اسلام لاہور

ناشر و چیئرمین: محمد اکرم راٹھور

مجلسِ ادارت
ڈاکٹر انعام الحق، ڈاکٹر منظور الحق
خواجہ ازہر عباس

مدیر انتظامی: محمد سلیم اختر

قانونی مشیر: ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ

اس شمارے میں

عنوان	مصنف	صفحہ نمبر
لمعات	ادارہ	4
پرویز صاحب کا نظریۂ اسلامی مملکت (قسط 14)	منظور حسین لیل	8
غلام احمد پرویزؒ میری نظر میں	ڈاکٹر شاکر حسین خان	20
طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ط	خواجہ ازہر عباس	28
قرآنی تعلیمات کے مطابق مرد عورت سے افضل نہیں	ڈاکٹر انعام الحق	37

ENGLISH SECTION

Manzil ba Manzil (منزل بہ منزل) (Episode-2)
Chapter 4: Builder of Kaaba (*Mei'mar Haram* - معمارِ حرم)
To leaders of Spring's caravan 60
By G. A. Parwez (Translated by: M. Alam)

زرِ تعاون: 50 روپے فی پرچہ
پاکستان: -/550 روپے سالانہ
رجسٹرڈ ڈاک: -/800 روپے سالانہ
بیرون ملک: -/2500 روپے سالانہ
رجسٹرڈ ڈاک: -/5000 روپے سالانہ

ادارہ کا مضمون نگار کی تحریر سے کُلّی اتفاق ضروری نہیں۔

Idara Tolu-e-Islam Bank Account National Bank of Pakistan
Main Market Branch Gulberg Lahore

For Domestic Transactions
Bank A/C No: 0465-22-003082-7

For International Transactions
IBAN: Pk21 NBPA 0465 0022 0003 0827
Swift Code: NBPAPKKAA02L

ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) کی مطبوعات سے حاصل شدہ جملہ آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صَرف کی جاتی ہے

ادارہ طلوعِ اسلام 25-B گلبرگ نمبر 2، لاہور۔ 54660، (پاکستان) فون: 042-35714546
idarati@gmail.com www.facebook.com/Talueislam

اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز سے چھپوا کر 25-B، گلبرگ II لاہور سے شائع کیا

طلوعِ اسلام

بیا ساقی نوائے مرغِ زار از شاخسار آمد
بہار آمد نگار آمد قرار آمد
کشید ابر بہاری خیمہ اندر وادی و صحرا
صدائے آبشاراں از فرازِ کوہسار آمد
سرت گردم تو ہم قانونِ پیشیں ساز دہ ساقی
کہ خیل نغمہ پردازاں قطار اندر قطار آمد
کنار از زاہداں برگیر وبیباکانہ ساغر کش
پس از مدت ازیں شاخِ کہن بانگ ہزار آمد
بہ مشتاقاں حدیث خواجۂؐ بدر وحنین آور
تصرف ہائے پنہانش بچشمم آشکار آمد
دگر شاخِ خلیلؑ از خونِ ما نم ناک می گردد
ببازارِ محبت نقد ما کامل عیار آمد
سر خاکِ شہیدے برگہائے لالہ می پاشم
کہ خونش با نہالِ ملت ما سازگار آمد
''بیا تا گل بیفشانیم و مے در ساغر اندازیم
فلک را سقف بشگافیم وطرحِ دیگر اندازیم''

(بانگِ درا۔ علامہ اقبالؒ)

(جاری ہے)

ادارہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

لمعات

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت بدلنے کا

گذشتہ چند سالوں سے وطنِ عزیز کے نظام میں تبدیلی کی آوازیں سُنائی دی جا رہی ہیں اور اِس کے لئے اسلام کے حوالے سے دلائل تلاش کر کے، پیش کئے جا رہے ہیں۔ طلوعِ اسلام کی بھی نظر یہ پاکستان کے تناظر میں یہی کاوش رہی ہے کہ وہ قرآن اور اسوۂ رسول کی روشنی میں قرآنی نظام کے نفاذ میں اپنا حصہ ڈالتا رہے۔ اسی فریضہ کی ادائیگی میں، تبدیلی کے مُتمنی افراد اور جماعتوں کو ادارہ طلوعِ اسلام سے درجِ ذیل رسولِ اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے راہنمائی حاصل کرنے کا مشورہ دے رہے ہیں۔

پاکستان کی معروضی حالت کا حل اسوۂ رسول ﷺ میں:

پاکستان کے موجودہ حالات کا جائزہ لیا جائے تو مطلوبہ معیار کے تقابل میں ہم دیکھتے ہیں کہ

(1) ایک خطہء زمین ہو، جو کہ پاکستان کی شکل میں موجود ہے؛

(2) کتابِ خداوندی ہو، جو کہ قرآن کی شکل میں اپنی اصل حالت میں ہمارے پاس ہے؛

(3) ایک امت ہو، جو اسلامی نظام کو اپنا نصب العین بنا کر اس کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لئے برضا و رغبت تیار ہو۔ ایسی امّت آج ناپید ہے؛

(4) خطۂ زمین پر، کتاب اللہ کے نفاذ کے لئے بالفعل و بالقوّۃ زندہ سربراہ ہو، جو آج نہیں ہے؛

(5) اسلامی نظام کے زندہ سربراہ کے ساتھ اولی الامر بھی ہوں۔ جب نظام خداوندی اور اس کا سربراہ ہی نہیں ہے تو اولوالامر کہاں سے آئیں گے؟

آج جن امور کو اسلامی نظام کے زمرہ میں شامل کیا جاتا ہے، وہ محض چند رسومات ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ رسومات وہ اعمال صالح نہیں ہیں، جن کا میزان خداوندی میں وزن ہوگا۔ قانون یعنی کتاب اللہ کی اہمیّت سے انکار نہیں، لیکن قوانین کو نافذ کرنے والے بھی اتنے ہی اہم ہیں۔ اگر نافذ کرنے والوں کی قانون کے ساتھ دل کی گہرائیوں سے وابستگی نہ ہو، تو قانون چاہے کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو، نافذ نہیں ہوگا اور اپنے نتائج برآمد نہ کر سکے گا۔

اس مقام پر یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے اسلامی نظام کے قیام سے پہلے تعلیم و تربیت کے ساتھ قلب و نگاہ

میں تبدیلی کے ذریعے جماعت کی تشکیل کی تھی۔ اسی تعلیم وتربیت کے ذریعے، اُن کے دلوں میں، اِس نظام پر ایمان راسخ ہو چکا تھا۔ صحابہ کرامؓ قرآنی قوانین کی پابندی کے لئے تیار ہو چکے تھے۔ اس کے بعد اسلامی قانون کا اطلاق ان پر کیا گیا تھا۔ اس تناظر میں آپ پاکستان کے موجودہ مسلمانوں پر اسلامی قانون کے اطلاق کا کیا جواز فراہم کر سکتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے غیر مسلموں کو مسلمان کیا تھا اور اُنہیں مسلمان کرنے کا طریقہ تعلیم وتربیت تھا۔ اِس لئے اُس وقت جو معاشرہ متشکل ہوا تھا، وہ تھا ہی اِن مسلمانوں پر مشتمل، جو تربیت یافتہ تھے۔ اِس لئے اسلامی قانون کی پابندی میں اُن کو کسی قسم کے تحفظات نہیں تھے۔

پاکستان کی تخلیق کے بعد صورت اِس کے برعکس تھی اور ابھی تک ہے۔ یہاں پہلے سے ایک معاشرہ موجود ہے، جو مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ لیکن یہ مسلمان وہ ہیں، جو تعلیم وتربیت کے بعد مسلمان نہیں ہوئے۔ یہ بس قومی، پیدائشی یا نسلی مسلمان ہیں۔ مزید یہ کہ اُن کی حکومت بھی اسلامی حکومت نہیں بلکہ مسلمانوں کی حکومت ہے۔ اِن میں بڑی اکثریت اُن لوگوں کی ہے، جو نہ اسلام کا علم رکھتے ہیں، اور نہ حق اور باطل کی تمیز سے آشنا ہیں۔ آباء واجداد سے بس مسلمان کا نام ملتا چلا آرہا ہے، اِس لئے یہ مسلمان ہیں۔ انہوں نے علی وجہ البصیرت اسلام کو حق جان کر قبول ہی نہیں کیا، اور نہ ہی باطل کو باطل جان کر ترک کیا ہے۔

علامہ اقبال کے الفاظ میں ؎

جانتا ہوں میں یہ اُمت حاملِ قرآں نہیں
ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دیں

پاکستان کی آئندہ نسل کو اسی طرح تعلیم وتربیت کے ذریعے علی وجہ البصیرت مسلمان کرنے کی ضرورت ہے، جس طرح رسول اکرم ﷺ نے کفار کو مسلمان کیا تھا۔ جن افراد پر ہمارا موجودہ معاشرہ مشتمل ہے، وہ موجودہ نہج پر پختہ ہو چکے ہیں۔ انہیں کسی نہ کسی قانون اور ضابطہ کے ماتحت رکھنا ضروری ہے، تو وہ قانون اور ضابطہ اسلامی ہی کیوں نہ ہو؟ اِس کا کم از کم یہ فائدہ تو ہوگا کہ اِس سے بڑی حد تک معاشرتی اصلاح ہو جائے گی۔

پاکستان میں قرآنی نظام کا بتدریج نفاذ:

یہ درست ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے نبوت کے پہلے تیرہ برس تک، اپنی اُمت کو تیار کیا، اور اُس کے بعد، اپنی مملکت کے حصول کے بعد، اسلامی دستور کو نافذ فرمایا تھا۔ کوئی اعتراض کر سکتا ہے کہ ہماری قوم کی تربیت نہیں ہوئی، اور ہم اسلامی دستور اور اسلامی قوانین کو نافذ کرنا چاہتے ہیں؟۔ یہ اعتراض بجا لیکن رسولِ اکرم ﷺ کو تو مملکت تیرہ سال کے بعد حاصل ہوئی تھی، جبکہ ہمیں قبل از تربیت حکومت مل گئی ہے۔ ان حالات میں ہم یہ تو نہیں کر سکتے کہ حکومت کا خیال چھوڑ دیں، اور قوم کی تعلیم وتربیت میں مشغول ہو جائیں، اور جب قوم تعلیم وتربیت حاصل کر لے، تو پھر حکومت کی طرف توجہ دیں۔ اِن حالات میں جبکہ پاکستان میں مسلمانوں کو حکومت مل چکی ہے، تو تربیت کے حصول تک اِسے معطل تو نہیں رکھا جا سکتا۔ اِسے کسی نہ کسی طرح تو چلانا ہے۔ اِس کے لئے دو ہی صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ اسلامی نظام کا نام لینا چھوڑ دیا جائے، اور دوسری صورت یہ ہے کہ قوم

کے سامنے اسلامی دستور (قرآن) بطور نصب العین رکھ دیا جائے اور پھر اِس پر رفتہ رفتہ عمل کر کے آخری منزل تک پہنچا جائے۔ یہ دوسری صورت پاکستان کے حالات سے مطابقت رکھتی ہے۔

قرآن کریم اپنے پروگرام کے ذریعے درجِ ذیل پہلے قدم سے آخری منزل تک مختلف مدارج میں سے گزارتا ہوا لے جاتا ہے:

پہلی منزل: قرآن خالص کی طرف دعوت اور تبلیغ۔

دوسری منزل: قرآن پر ایمان لانے والوں کی ابتدائی جماعت کی تشکیل۔

تیسری منزل: جماعت میں تعلیم و تربیت سے پختگی لانا۔

چوتھی منزل: ابتدائی جماعت کی بڑی جماعت میں تشکیل اور مزید پختگی اور قوت پیدا کرنا تاکہ ہر قسم کے نامساعد حالات کا سامنا کر سکے۔

پانچویں منزل: قرآنی اصولوں پر مبنی اپنی جہد مسلسل سے آزاد مملکت کی تشکیل۔

ہر منزل کے متعلق اس میں ہدایات، راہ نمائی اور احکام موجود ہیں۔ تدبر کرنے کا مقام یہ ہے کہ دیکھا جائے کہ معاشرہ کس حالت میں ہے، اور کہاں سے بات شروع کرنی ہے، کس طرح بتدریج اسلام کی آخری منزل تک پہنچنا ہے۔ اور پھر جس مقام پہ آپ کا معاشرہ ہے، اس سے متعلق قرآن مجید میں کیا احکام و راہ نمائی ہے، جسے آج کے ماحول میں نافذ (Apply) کرنا ہے۔ قرآن کریم کے مکمل اور آخری مرحلے کے احکام، جس میں خصوصی طور پر معاشی نظام میں ربٰو کی ممانعت کا حکم بھی شامل ہے وہ غیر تربیت یافتہ معاشرے میں نافذ نہیں کئے جا سکتے۔ جو لوگ ہمارے آج کے ماحول میں، ہمارے لئے قرآنی احکام پر مبنی معاشرے کا غیر منطقی انداز میں انطباق کرتے ہیں، وہ قرآن کے تدریجی عمل کی تکذیب کرتے ہیں، اور وہ حقیقت سے دور ہوتے ہیں۔

قانونِ ارتقاء کے مطابق ہر منزل کے ترتیب وار پروگرام کو بتدریج پورا کرتے ہوئے، ہم اگلی منزل تک پہنچ سکیں گے۔ اس ضمن میں ہم رسول اکرم ﷺ کی پیروی میں تمام مدارج کو طے کر کے ہی، اسلامی مملکت کے حصول میں نظریہء پاکستان کی تکمیل کر سکیں گے۔ یہی اللہ کا اصول ہے، جس میں نہ تبدیلی ممکن ہے اور نہ ہی کوئی استثناء ہے۔

پروگرام کے طویل ہونے کا اعتراض:

اس پر اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ یہ تو بڑا لمبا پروگرام ہے۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اگر آپ اس کے لئے کوئی (Short Cut) تجویز کر سکتے ہیں تو فرمائیے۔ آپ نے شارٹ کٹس آزما کر دیکھ لئے ہیں، ان کا نتیجہ ہنگامہ آرائیوں اور فساد انگیزیوں کے سوا اور کیا برآمد ہوا ہے؟ یاد رکھئے! آپ فطرت کے قاعدوں کو نہیں بدل سکتے۔ انسانی بچے نے جو کچھ تعلیم و تربیت سے سیکھنا ہے، دنیا میں ابھی تک کوئی ایسا انجکشن ایجاد نہیں ہوا، جس کے ذریعے وہ سب کچھ اس کے دل و دماغ میں جذب کر دیا جائے۔ اس طریقِ کار کا، نہ کوئی بدل ہے، اور نہ کوئی شارٹ کٹ ہے۔ آپ نے جب بھی اپنے آپ کو تبدیلی لا کر سنبھالنا/سنوارنا چاہا، تو اسی پروگرام کو اختیار کرنا ہوگا۔

قرآن حکیم کے طالب علموں کے لیے خوشخبری

علامہ غلام احمد پرویزؒ کے سات سو سے زائد دروسِ قرآنی پر مبنی تفسیری سلسلہ کے تحت بزم طلوع اسلام لاہور کی طرف سے مندرجہ ذیل تفسیری کتب کی اشاعت الگ الگ جلدوں میں ہو چکی ہے۔ یہ جلدیں 20x30/8 کے بڑے سائز کے بہترین کاغذ پر خوبصورت طباعت اور مضبوط جلد بندی کے ساتھ دستیاب ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ	نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ
سورہ الفاتحہ	(1)	240	200/-	سورۃ النمل	(27)	280	300/-
سورہ الفاتحہ (سٹوڈنٹ ایڈیشن)	(1)	240	110/-	سورہ القصص	(28)	334	350/-
سورۃ البقرہ (اول)	(2)	500	400/-	سورہ عنکبوت	(29)	388	350/-
سورۃ البقرہ (دوم)	(2)	538	400/-	سورہ روم، لقمان، السجدہ	(30,31,32)	444	400/-
سورۃ البقرہ (سوم)	(2)	500	400/-	سورہ احزاب، سبا، فاطر	(33,34,35)	570	400/-
سورۃ النساء	(4)	870	700/-	سورہ یٰسین	(36)	164	150/-
سورہ النحل	(16)	334	300/-	سورہ الصّٰفّٰت، ص، زمر	(37,38,39)	450	400/-
سورہ بنی اسرائیل	(17)	396	----	سورۃ مومن، حٰمٓ سجدہ، سورہ شوریٰ	(40,41,42)	624	550/-
سورۃ الکہف و سورہ مریم	(18-19)	532	----	سورۃ زخرف، دخان، جاثیہ، احقاف، محمدؐ	(43-44-45 46-47)	520	500/-
سورہ طٰہٰ	(20)	416	350/-	سورۃ الفتح، الحجرات، ق، الذاریات، الطور، النجم	(48-49-50 51-52-53)	550	500/-
سورۃ الانبیآء	(21)	336	300/-	سورۃ القمر، الرحمٰن، واقعہ، الحدید	(54-55 56-57)	384	400/-
سورۃ الحج	(22)	380	350/-	28 واں پارہ (مکمل) مجادلہ، حشر، ممتحنہ، صف، جمعہ، منافقون، تغابن، طلاق، تحریم	(58-59-60-61-62-63-64-65-66)	300	300/-
سورۃ المؤمنون	(23)	408	400/-				
سورۃ النور	(24)	264	350/-	29واں پارہ (مکمل)	----	544	400/-
سورۃ الفرقان	(25)	389	350/-	30واں پارہ (مکمل)	----	624	400/-
سورۃ الشعرآء	(26)	454	400/-	شرح جاوید نامہ	----	800	1000/-

ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) 25-بی، گلبرگ 2، لاہور فون نمبر: +92 42 3571 4546 +92 321 4460 787

بزم ہائے طلوعِ اسلام اور تاجر حضرات کو ان ہدیوں پر تاجرانہ رعایت دی جائے گی۔ ڈاک خرچ اس کے علاوہ ہوگا۔

ماہنامہ طلوعِ اسلام کا سالانہ زرِ شرکت

سالانہ زرِ شرکت اندرونِ ملک -/550 روپے، بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک -/800 روپے

بیرونِ ملک -/2500 روپے، بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک -/5000 روپے

Bank Account Idara Tolu-e-Islam (National Bank of Pakistan Main Market, Gulberg Lahore)

For Domestic Transactions
Bank A/C No: 0465-22-003082-7

For International Transactions
IBAN: Pk21 NBPA 0465 0022 0003 0827

ملک منظور حسین لیلیٰ۔ بھکر
0332-7636560
mhleeladv@yahoo.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قسط نمبر 14

پرویز صاحب کا نظریۂ اسلامی مملکت

(قرآنی حکومت)

اور جو لوگ ما انزل اللہ (قرآن) کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے، وہی لوگ کافر، ظالم، فاسق ہیں (5:44-45-47)

نظامِ عدل

عدل:

طلوعِ اسلام، اپریل 1980ء، صفحہ نمبر 25: ''قرآنی مملکت کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ہر ایک سے عدل ہوتا ہے۔۔عدل کی ایک شکل یہ ہے کہ ہر متنازعہ فیہ معاملہ کا فیصلہ قانون کے مطابق کیا جائے اور اس میں کسی کی رو رعایت نہ کی جائے۔یہی ہے وہ مملکت جس میں ہر صاحبِ اقتدار سے یہ کہا جاتا ہے کہ: اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى (26:38)۔''تمہیں مملکت میں صاحبِ اختیار اس لئے بنایا گیا ہے کہ تم لوگوں کے فیصلے ''حق'' کے ساتھ کرو اور اس میں اپنے جذبات کو کبھی دخیل نہ ہونے دو۔'' یہاں کہا گیا ہے کہ لوگوں کے متنازعہ فیہ معاملات کا فیصلہ ''حق'' کے ساتھ کرو۔یہ نکتہ بڑا غور طلب ہے۔''عدل'' کا عام تصور یہی ہے کہ اگر معاملات کا تصفیہ ملک کے رائج الوقت قانون کے مطابق ہو تو کہا جائے گا کہ ''عدل'' کا تقاضا پورا ہو گیا۔لیکن سوال یہ ہے کہ اگر خود وہ قانون جس کے مطابق فیصلہ ہوا ہے، ''عدل'' پر مبنی نہیں تو اس کے مطابق فیصلہ کو مبنی بر عدل کیسے کہا جائے گا؟۔اگر قانون کے استعمال میں جذبات اثر انداز ہو سکتے ہیں تو قانون سازی میں جذبات کیوں اثر انداز نہیں ہو سکتے!۔یہ وجہ ہے کہ قرآنی مملکت میں قانون سازی کا اختیار کسی کو حاصل نہیں ہوتا۔اس میں تمام قوانین، اصولی طور پر، خدا کے متعین فرمودہ (قرآن کی دفتین کے اندر محفوظ) ہوتے ہیں۔اور مملکت کا فریضہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ان قوانین کو اپنے زمانے کے حالات کے مطابق نافذ العمل بنائے۔

الکتاب کا مطلب ضابطۂ قوانین:

قرآن کریم کا تعارف سب سے پہلی آیت میں، ''الکتاب'' کہہ کر کرایا گیا ہے۔۔''الکتاب'' ضابطہ قوانین کو کہا جاتا ہے۔قرآن کریم میں چند ایک قوانین تفصیلی طور پر دے دیئے گئے ہیں اور باقی اصولی طور پر درج ہیں۔ان اصولی قوانین کی جزئیات، ہر زمانے کی اُمت، اپنے اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق، باہمی مشاورت سے مرتب کرے گی۔۔ان

جزئیات، (یا بائی لاز) میں زمانے کے تقاضوں کے مطابق تغیر وتبدل ہوتا رہے گا۔لیکن اصولی قوانین ہمیشہ غیر متبدل رہیں گے۔ان میں تبدیلی کا حق کسی ایک فرد یا پارلیمان تو ایک طرف، ساری دنیا کی آبادی کو بھی حاصل نہیں ہوگا۔جو مملکت، قرآنی قوانین کے مطابق فیصلے کرے گی اسے اسلامی مملکت کہا جائے گا۔قرآن کریم نے واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ: وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (5:44)۔''جو خدا کی طرف سے نازل کردہ کتاب کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے انہی کو کافر کہا جاتا ہے۔''لہٰذا، قرآنی مملکت میں ہر فیصلہ قرآنی قوانین کے مطابق ہوتا ہے۔اور ان قوانین کے مطابق فیصلہ کرنے میں، نہ فیصلہ کرنے والے کے ذاتی رجحانات ومیلانات اثر انداز ہوتے ہیں اور نہ ہی کسی قسم کے خارجی مؤثرات دخیل کار۔۔۔وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ (2:48)۔''اس دور میں کوئی شخص (قانون کے مقابلہ میں) کسی دوسرے شخص کے کام نہیں آسکے گا، نہ ہی کسی کی سفارش مجرم کو بچا سکے گی۔نہ ہی اس سے کچھ لے لوا کر اسے چھوڑ دیا جائے گا۔نہ ہی کوئی کسی اور طرح مجرم کی مدد کر سکے گا۔''اس میں مجرم چھپا نہیں رہ سکتا، دور سے پہچانا جا سکتا ہے۔۔۔يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ (55:41)۔''اس میں مجرم اپنی پیشانیوں سے پہچانے جائیں گے۔''۔اس میں انتظام ایسا ہوگا کہ مجرم، شریف انسانوں سے بالکل الگ نظر آئیں گے۔۔وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ (36:59)۔''تاکہ کوئی شخص ایسے لوگوں سے دھوکا نہ کھا سکے۔''۔اس میں کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی مجرم، مواخذہ سے بچ جائے یا کوئی بے گناہ یوں ہی دھر لیا جائے۔۔لَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا (6:164)۔''اس میں ہر شخص اپنے اعمال کے مطابق بدلہ پاتا ہے۔۔۔وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى (6:164)۔''اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا''۔قرآنی مملکت میں، بڑی سے بڑی شخصیت بھی قانون کے دائرے سے باہر نہیں ہوتی۔۔۔۔اس باب میں، اور تو اور، خود حضور رسالت مآب ﷺ کی زبانِ اقدس سے بھی یہ اعلان ہوا کہ: اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ (6:15)۔''اگر میں بھی قانونِ خداوندی کی خلاف ورزی کروں تو اس کے مواخذہ سے سخت ڈرتا ہوں۔''اور اس کے بعد فرمایا کہ اگر میری چہیتی بیٹی۔۔۔فاطمہ۔۔۔بھی قانون شکنی کرے تو میں اسے بھی سخت سزا دوں گا۔''

عدالت:

طلوعِ اسلام مئی، جون: 1982ء، ص: 14، ''آپ کسی کچہری میں جا نکلئے۔وہاں سینکڑوں افراد مصروفِ تگ وتاز نظر آئیں گے۔یہ کون لوگ ہیں؟۔یہ وہ ہیں جن میں کسی معاملہ میں اختلاف ہو گیا اور انہوں نے اس کے تصفیہ کے لئے عدالت کی طرف رجوع کیا ہے۔عدالت ان میں قانون کے مطابق فیصلہ کرے گی۔اور ان کا اختلاف مٹ جائے گا۔ظاہر ہے کہ جس قانون کے مطابق عدالت نے فیصلہ دینا ہے، اس سے یہ لوگ (فریقین) واقف ہیں۔اگر یہ خود واقف نہیں تو وکلاء موجود ہیں جنہیں ان قوانین کا علم ہے۔لیکن یہ وکلاء ان کے تنازعہ (مقدمہ) کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔وہ ایسا کرنے کے مجاز نہیں۔ان کا

فیصلہ قانون کی نظروں میں قابلِ قبول نہیں ہوگا۔خواہ وہ وہی فیصلہ کیوں نہ ہو جو عدالت دے گی (نہ ایسے فیصلہ پر عملدرآمد کیا جاسکے گا۔مئولف)۔اس سے واضح ہے کہ اختلافات مٹانے اور وحدت پیدا کرنے کے لئے تین عناصر لاینفک ہیں۔یعنی: (1) قانون، (2) قوتِ نافذہ، (3) عدالت۔''

قانون سازی کے اختیارات:

طلوعِ اسلام جنوری 1983ء، ص:59: قانون اور عدل کے بارے میں پرویز صاحب رقمطراز ہیں: ''اس (مادی) تصورِ حیات کا جو اثر زندگی کے اور شعبوں پر پڑتا ہے، اسے سرِ دست چھوڑ دیئے۔اس وقت صرف یہ دیکھئے کہ جہاں تک انسان کی تمدنی اور سیاسی زندگی کا تعلق ہے، اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ذیل کی مثالیں اس حقیقت کو واضح کر دیں گی۔ (1) خروشیف (سابق روسی راہنما) جیسا آمر مطلق ہو یا امریکی حکومت جیسا جمہوری ادارہ، دونوں میں قانون سازی کے اختیارات لامحدود ہوں گے۔۔۔سیکولر گورنمنٹ کی بنیادی خصوصیت ہی یہ ہے۔وہ نہ کسی غیر متبدل اصول کی پابند ہو، نہ کسی ناقابلِ تغیر اخلاقی شرائط سے مشروط۔

ملکی مفاد:

وہ جس قسم کا جی چاہے قانون بنائے اور جب جی چاہے اس میں ترمیم کر دے یا اسے منسوخ ہی کر دے۔ظاہر ہے کہ ان حالات میں، ہر مملکت ایسے قوانین مرتب کرے گی جو اس مملکت کے لئے فائدہ مند ہوں۔اسے باقی دنیا میں بسنے والے انسانوں کے مفاد سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔(Romelin) نے ٹھیک کہا تھا کہ:۔''مملکت کا بنیادی فریضہ اپنے مفاد کا تحفظ اور اپنی قوت کی نشوونما ہے۔اسے کسی دوسری مملکت کا خیال صرف اس صورت میں رکھنا چاہیئے جب کہ اس سے اس کے اپنے مفاد کے خلاف زد نہ پڑتی ہو''۔ان حالات میں جو بین الاقوامی فساد برپا ہوسکتا ہے، وہ ظاہر ہے۔

جماعتی مفاد:

(2) حکومت میں جو پارٹی برسرِ اقتدار آئے گی، وہ ایسے قوانین بنائے گی جن سے اس جماعت کے مفادات کا تحفظ ہوسکے جس کی وہ نمائندگی کرتی ہے۔خواہ دوسری پارٹیوں کے مفاد پر اس کی زد کیسی ہی کیوں نہ پڑے۔جب اس کی جگہ دوسری پارٹی برسرِ اقتدار آئے گی تو وہ پہلی پارٹی کے وضع کردہ قوانین کو منسوخ کر دے گی اور ایسے جدید قوانین مرتب کرے گی جن سے ان کی پارٹی کے مفاد کا تحفظ ہو۔اس سے خود ملک کے اندر، مختلف جماعتوں اور طبقات میں جس قدر فساد برپا ہوگا اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

قانون کی پابندی:

(3) اس تصورِ حیات کے تحت، ملک کے قانون کی پابندی صرف وہ شخص کرے گا جسے اس کا احساس ہو کہ قانون کی خلاف ورزی سے۔(ا) وہ سوسائٹی میں بدنام ہوجائے گا۔(ب) پولیس کی گرفت میں آجائے گا۔اور (ج) عدالت اسے سزا

دے دے گی۔۔۔اگر کوئی شخص ایسا انتظام کرے کہ وہ خلاف ورزیء قانون سے پولیس کی گرفت میں نہ آسکے۔اور اگر وہ پکڑا بھی جائے تو عدالت سے چھوٹ جائے۔نیز معاشرہ میں وہ ایسا با اثر ہو کہ کوئی شخص اس کے خلاف لب کشائی نہ کر سکے۔یا معاشرہ میں جرائم اس قدر عام ہو جائیں کہ جرم کا ارتکاب باعثِ ذلت ہی نہ سمجھا جائے،تو اس کے بعد کوئی جذبہء محرکہ ایسا نہیں رہے گا جس کے تحت،قانون کی پابندی یا اس کا احترام باقی رہ سکے۔چنانچہ آج کل تمام مہذب ممالک میں یہی کچھ ہو رہا ہے۔ہر جگہ جرائم بڑھتے جاتے ہیں اور جرائم کے انسداد کا علاج،اربابِ نظم ونسق کی سمجھ میں اس کے سوا کچھ نہیں آتا کہ پولیس کی تعداد میں اضافہ کر دیا جائے۔چنانچہ جرائم کی کثرت اور پولیس کے اضافہ کی رفتار میں مسلسل دوڑ (Race) جاری رہتی ہے۔یہ تو کسی مملکت میں بھی ممکن نہیں کہ ہر شخص کے سر پر ایک سپاہی مسلط رہے۔اس لئے جرائم کی روک تھام ناممکن ہو چکی ہے۔ان حالات میں آپ سوچئے کہ کیا دنیا میں کوئی مملکت بھی ایسی ہو سکتی ہے جس کا نظم ونسق صحیح خطوط پر قائم رہ سکے۔اور کوئی پارٹی بھی ایسی ہو سکتی ہے کہ اقتدار اس کے ہاتھ میں آئے اور وہ اپنے فائدے کی نہ سوچے!۔۔۔یہ ہیں اُس مادی تصورِ حیات کے فطری نتائج جس پر تہذیبِ مغرب کی اساس وبنیاد ہے۔اس کے برعکس،قرآن کی رو سے تصورِ حیات یہ ہے کہ:

قرآنی تصورِ حیات:

(ا)انسان صرف طبیعی جسم سے عبارت نہیں۔جسم کے علاوہ ایک اور شے بھی ہے جسے انسانی ذات کہتے ہیں۔انسانی ذات کی نشوونما،مقصدِ حیات ہے۔۔۔(ب)۔جس طرح خارجی کائنات کے لئے خدا کے متعین کردہ قوانین ازخود موجود ہیں،وہ انسانوں کے وضع کردہ نہیں،نہ ہی انسان ان میں تغیر وتبدل کر سکتا ہے۔اسی طرح انسان کی تمدنی زندگی کے لئے بھی ابدی اصول متعین ہیں جن میں کوئی انسان یا انسانوں کی جماعت کسی قسم کا تغیر وتبدل نہیں کر سکتی۔۔۔(ج)۔خدا کے مقرر کردہ قوانین کی خلاف ورزی کی سزا کا انحصار اس پر نہیں کہ اگر جرم کرنے والے کو کوئی شخص دیکھ لے یا گرفتار کر لے،تو اسے اس کی سزا ملے،اور اگر ایسا نہ ہو،تو وہ سزا سے بچ جائے۔

قانونِ مکافات:

خدا کا قانون یہ ہے کہ آگ میں انگلی ڈالنے سے انگلی جل جائے گی۔اور اس میں سخت تکلیف ہوگی۔اس میں صورت یہ نہیں۔۔۔کہ اگر کوئی شخص آپ کو آگ میں انگلی ڈالتے ہوئے دیکھ لے تو آپ کی انگلی جلے اور اس میں تکلیف ہو۔اور اگر اسے کوئی دیکھنے نہ پائے تو آپ اس جرم کی سزا سے بچ جائیں۔یہ سزا آپ کو بہر حال مل کر رہے گی۔خواہ آپ اس کا ارتکاب پہاڑ کی چوٹی پر یا زمین کے غار کے اندر تنہائی میں بھی کیوں نہ کریں۔اسے خدا کا قانونِ مکافاتِ عمل کہتے ہیں۔۔۔جس طرح طبیعی قوانین کی خلاف ورزی کا اثر انسان کے جسم پر ہوتا ہے۔اسی طرح اخلاقی قوانین کی خلاف ورزی کا اثر انسان کی ذات پر پڑتا ہے۔یعنی جس طرح سنکھیا کھانے سے انسان کی جسمانی زندگی ختم ہو جاتی ہے،اسی طرح حرام کا مال کھانے سے اس کی ذات تباہ ہو جاتی ہے۔جس طرح آگ کے غلط استعمال سے ہاتھ جل جاتا ہے،اسی طرح اختیارات کے غلط استعمال سے

انسانی ذات کی صلاحیتیں جھلس جاتی ہیں۔ اسے جہنم کا عذاب کہا جاتا ہے۔ جس طرح سنکھیا اپنا ہلاکت آفریں اثر کر کے رہتا ہے، خواہ آپ اسے بند کمرے کے اندر ایسے وقت میں کھائیں جب آپ کو دیکھنے والا کوئی نہ ہو، اسی طرح مالِ حرام اپنا تباہ کن اثر کر کے رہتا ہے خواہ اس کا کسی کو علم ہو سکے یا نہ: سَوَآءٌ مِّنۡكُمۡ مَّنۡ اَسَرَّ الۡقَوۡلَ وَمَنۡ جَهَرَ بِهٖ وَمَنۡ هُوَ مُسۡتَخۡفٍۢ بِالَّيۡلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ۝ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنۡۢ بَيۡنِ يَدَيۡهِ وَمِنۡ خَلۡفِهٖ يَحۡفَظُوۡنَهٗ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰهِ ؕ (13:10-11) ''اس کے لئے برابر ہے خواہ تم میں سے کوئی بات کو چھپائے یا اسے بلند آواز سے کہے۔ خواہ وہ رات کی تاریکیوں میں کچھ کرے یا دن کی روشنی میں چلے۔ اس کے آگے اور پیچھے ایسے پاسبان لگے ہوئے ہیں جو ہر وقت اس کے ساتھ رہتے اور اس کی ہر نقل و حرکت اور قول و عمل کو ریکارڈ کرتے رہتے ہیں، وہ ریکارڈ کبھی ضائع نہیں ہو سکتا، یہ ریکارڈ ہر انسان کی گردن میں لٹکا رہتا ہے۔'': وَكُلَّ اِنۡسَانٍ اَلۡزَمۡنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِىۡ عُنُقِهٖ ؕ (17:13)۔

نگاہ کی خیانت:

جہاں تک طبیعی قوانین کا تعلق ہے، ان کا نقصان صرف اس وقت پہنچتا ہے جب ان کی خلاف ورزی عمل میں آجائے۔ آپ ہزار مرتبہ دل میں خیال کریں کہ جب آپ کے سامنے آگ آئے گی تو آپ اس میں کود جائیں گے، اس سے آپ کے جسم پر ذرا بھی آنچ نہیں آئے گی۔ آپ کا جسم اس وقت جلے گا جب آپ عملاً آگ میں کود جائیں گے۔ لیکن جہاں تک اخلاقی اقدار کا تعلق ہے، ان کی خلاف ورزی کا نقصان ارادہ کرنے سے بھی پہنچ جاتا ہے۔ آپ کسی کے ہاں بیٹھے ہیں اور سوچ رہے ہیں کہ وہ ذرا اندر جائے اور آپ اُس کا قلم اڑا لیں۔ آپ دیر تک اسی خیال میں بیٹھے رہتے ہیں لیکن (آپ کی بد قسمتی کہ) وہ اٹھ کر اندر نہیں جاتا۔ آپ بالآخر تھک کر ناکام چلے آتے ہیں۔ آپ نے چوری نہیں کی۔ دنیا کا کوئی قانون آپ سے مواخذہ نہیں کر سکتا۔ لیکن اخلاقی اقدار کے قانون کی رو سے، آپ کی ذات کو اس ارادہ سے بھی سزا مل جائے گی۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ: يَعۡلَمُ خَآئِنَةَ الۡاَعۡيُنِ وَمَا تُخۡفِى الصُّدُوۡرُ ۝ (40:19)۔ وہ نگاہ کی خیانتوں اور دل کے ارادوں تک سے واقف ہوتا ہے۔

اپنے خلاف آپ شہادت:

دنیاوی جرائم کی عدالت میں اگر مجرم کے خلاف شہادت یا ثبوت نہ ملے، تو وہ چھوٹ جاتا ہے، لیکن اخلاقی اقدار کی عدالت میں، نہ کسی خارجی ثبوت کی ضرورت ہوتی ہے، نہ باہر کے گواہ کی۔ وہاں ہر مجرم، اپنے خلاف خود گواہی دیتا اور ثبوت پیش کرتا ہے۔: كَفٰى بِنَفۡسِكَ الۡيَوۡمَ عَلَيۡكَ حَسِيۡبًا ۝ (17:14)۔ آج خود تیری اپنی ذات تیرا حساب لینے کے لئے کافی ہے۔ پھر جس طرح آگ میں ہاتھ ڈالنے کے بعد، گورنر جنرل کی سفارش بھی آپ کو اس کے درد سے محفوظ نہیں رکھ سکتی اور لاکھ روپے کی رشوت بھی آپ کو اس تکلیف سے بچا نہیں سکتی۔ نہ ہی کوئی دوسرا آپ کی جگہ وہ دُکھ بھگت سکتا ہے۔ اسی طرح مستقل اقدار کی خلاف ورزی کی سزا سے کسی صورت چھٹکارا نہیں ہو سکتا: وَاتَّقُوۡا يَوۡمًا لَّا تَجۡزِىۡ نَفۡسٌ عَنۡ نَّفۡسٍ شَيۡـًٔا وَّلَا يُقۡبَلُ مِنۡهَا

شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ (2:48)، اس میں نہ کوئی شخص کسی دوسرے کے کسی کام آسکے گا۔ نہ کسی کی سفارش قبول کی جائے گی۔ نہ کچھ معاوضہ لے کر اُسے چھوڑا جائے گا۔ نہ ہی اس کا کوئی حامی و ناصر ہوگا۔''

قانون کی حکمرانی:

پرویز صاحب کا ایک پُرمغز مقالہ بعنوان ''اسلامی مملکت کا نظامِ عدل، (قانون کی حکمرانی)'' طلوعِ اسلام فروری 1985ء میں شائع ہوا تھا۔ وہ اگرچہ مکمل طور پر مطالعہ کے قابل ہے، یہاں اس میں سے ایک اقتباس درج کیا جاتا ہے (ص:18)۔۔ ''اپنے خلاف آپ گواہی:۔ انسانی نظامِ عدل میں اگلا سقم یہ ہوتا ہے کہ مقدمہ میں ملزم کے خلاف جھوٹے گواہ پیش کر دیئے جاتے ہیں اور بے گناہ دھر لئے جاتے ہیں۔ خدائی نظامِ عدل میں یہ نہیں ہوسکتا۔۔ اس میں کیفیت یہ ہوتی ہے کہ:۔ جو چپ رہے گی زبانِ خنجر، لہو پکارے گا آستیں کا۔۔: اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (36:65)۔ آج تمہیں زبان سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ ہوگی۔ تمہارے خلاف خود تمہارے ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے کہ تم نے کیا کیا تھا۔ وہاں ہر مجرم خود اپنے خلاف گواہی دے گا۔: وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ (6:122، 7:27)۔ اس طرح وہاں کوئی بات چھپی نہیں رہے گی۔ سب راز فاش ہو جائیں گے۔ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ (86:8)۔۔۔ قرآن کا منشاء یہ ہے کہ اس قسم کا نظامِ عدل، انسان اپنے معاشرے میں رائج کرے۔ اس مقام پر یہ کہا جائے گا کہ یہ تو ہوسکتا ہے کہ یہ نظام ایسا انتظام کر لے کہ اس کی خبر رساں ایجنسیاں جھوٹی رپورٹ نہ کریں۔ لیکن یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ملزم خود اپنے خلاف شہادت دے۔ لیکن قرآن اسے ناممکن نہیں بتاتا۔ وہ کہتا ہے کہ اگر انسانوں کی صحیح تربیت کی جائے تو مجرم اپنے خلاف آپ بھی شہادت دے سکتا ہے۔

گواہی، خدا کے لئے:

اسی لئے اس کا ارشاد ہے کہ: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ اے ایمان والو! تم دنیا میں نظامِ عدل قائم کرو۔ اور اس کے لئے جب کہیں شہادت کی ضرورت پڑے تو مدعی یا مدعا علیہ، ملزم یا مستغیث کی طرف سے گواہ بن کر نہ جاؤ بلکہ شہداء للہ صرف خدا کے لئے گواہی دو وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ۔ خواہ یہ گواہی خود تمہاری اپنی ذات کے خلاف ہی کیوں نہ جائے۔: اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ۔ یا تمہارے والدین اور رشتے داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو: اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا۔ خواہ ملزم غریب ہو یا امیر۔ اس سے تمہاری گواہی پر کچھ اثر نہیں پڑنا چاہیئے۔: فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا۔ تم سچائی سے ہٹ کر ان کے خیر خواہ بننے کی کوشش نہ کرو۔ تم سے زیادہ خدا ان کا خیر خواہ ہے۔ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى۔ دیکھنا اس باب میں کہیں جذبات تم پر غالب نہ آجائیں۔ ایسا بھی نہ کرنا کہ کوئی ذو معنی یا پیچدار بات کر کے اصل حقیقت کو چھپا لو۔: وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا (4:135)۔ یا شہادت دینے سے اعراض برتو۔ یاد رکھو! خدا تمہارے ہر عمل سے باخبر ہے۔ اس لئے تم دنیا والوں سے تو بات چھپا سکتے ہو، خدا سے نہیں چھپا سکتے۔ یہی وہ ایمان ہے جس سے انسان کی

ایسی تربیت ہوجاتی ہے کہ وہ سچی سچی شہادت دے۔خواہ وہ اس کے اپنے خلاف ہی کیوں نہ جائے۔

وکیل کی ضرورت نہیں:

ظاہر ہے کہ اس قسم کے نظام میں، جس میں ہر بات ٹھیک ٹھیک سامنے آجائے حتیٰ کہ مجرم خود اپنے خلاف آپ گواہی دے دے، کسی وکیل کی ضرورت ہی نہ ہوگی۔وکیل کی ضرورت تو غلط نظامِ عدل میں پڑتی ہے۔نظامِ خداوندی میں اس کے لئے کوئی گنجائش ہی نہیں ہوسکتی۔اسی لئے اس نے اس قسم کے وکیلوں سے کہا کہ تم دنیاوی نظام میں تو مجرمین کی طرف سے جھگڑنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہو،لیکن: فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ۝ (4:109)۔خدا کے نظامِ عدل میں، فیصلے کے وقت، مجرمین کی طرف سے اللہ سے جھگڑنے والا کوئی نہیں ہوگا۔نہ ہی کوئی ان کا وکیل بن سکے گا۔''

عمرانی عدل:

طلوعِ اسلام ستمبر 1977ء،صفحہ نمبر:18-17:''اسلامی مملکت کا پورا نظام، عدل کے محور کے گرد گردش کرتا ہے۔عدل میں ''عمرانی عدل'' بھی شامل ہے اور ''قانونی عدل'' بھی۔۔۔جہاں تک ''عدلِ عمرانی'' کا تعلق ہے، قرآن کے اصول یہ ہیں کہ:

(1) تمام انسانوں کو پیدائش کے اعتبار سے یکساں واجب التکریم سمجھا جائے۔

(2) ہر ایک کی صلاحیتوں کی نشوونما کے لئے یکساں ذرائع اور مواقع بہم پہنچائے جائیں۔

(3) معاشرہ میں ہر ایک کی پوزیشن، ذاتی صلاحیتوں کی رو سے متعین کی جائے۔

(4) ہر ایک کو اس کی صلاحیت کے مطابق ذمہ داری سونپی جائے۔

(5) بنیادی حقوق انسانیت کے دروازے سب کے لئے یکساں طور پر کھلے ہوں۔لہٰذا، کوئی ایسا قانون یا طریقِ عمل جس کی رو سے، پیدائشی نسبت کے اعتبار سے انسان اور انسان میں فرق کیا جائے، غیر قرآنی اور غیر آئینی متصور ہوگا۔واضح رہے کہ امورِ مملکت کے سلسلہ میں، مسلم اور غیر مسلم میں جو امتیاز کیا جاتا ہے، وہ اس اعتبار سے نہیں ہوتا کہ ایک شخص غیر مسلموں کے گھر کیوں پیدا ہوگیا ہے۔پیدائش کے اعتبار سے تو نہ کوئی مومن ہوتا ہے نہ کافر۔۔۔۔یہ امتیاز اس لئے روا رکھا جاتا ہے کہ غیر مسلم اس آئیڈیالوجی کی صداقت کو تسلیم نہیں کرتا جس پر اسلامی مملکت کی عمارت استوار ہوتی ہے۔جو مملکت بھی کسی آئیڈیالوجی کی بناء پر قائم ہوگی اس میں ان لوگوں کو شریکِ حکم نہیں کیا جاسکتا جو اس آئیڈیالوجی کو تسلیم نہ کریں۔

قانونی عدل:

جہاں تک قانونی عدل کا تعلق ہے، عدل کی تعریف (Definition) یہ کی جاتی ہے کہ متنازعہ فیہ امور کا فیصلہ قانون کی رو سے کیا جائے۔یہ درست ہے، لیکن قرآن اس باب میں ایک قدم آگے جاتا ہے۔وہ کہتا ہے کہ اگر خود قانون ہی مبنی بر عدل

نہ ہوتو اس کے مطابق فیصلہ کو عدل کیسے کہا جائے گا؟۔اس کے نزدیک، قانون کے مبنی بر عدل ہونے کا معیار یہ ہے کہ وہ خدا کی مقرر کردہ حدود کے مطابق ہو۔اس لئے اس نے عدل کی شرط یہ قرار دی ہے کہ: يَهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ۝ (7:181) ''الحق'' کے مطابق عدل کیا جائے۔اور ''الحق'' سے مراد وحی ءخداوندی ہے۔یہی وجہ ہے جو ہم نے تجویز کیا ہے کہ مملکت کی عدالتِ عالیہ اس امر کا فیصلہ کرے گی کہ ملک میں نافذ ہونے والا قانون قرآن کے مطابق ہے یا نہیں۔۔۔یعنی بجائے اس کے کہ ملک میں ایک غلط (خلافِ قرآن) قانون نافذ ہوجائے اور بعد میں اسے عدالتوں میں چیلنج کیا جائے، یہ زیادہ مناسب ہوگا کہ عدالتِ عالیہ پہلے ہی دیکھ لے کہ مجوزہ قانون خلافِ قرآن تو نہیں۔'' (''ہم نے اس مقصد کے لئے ''عدالتِ عالیہ'' کو اس لئے فیصلہ دینے والی اتھارٹی تجویز کیا ہے کہ اسلام میں مذہبی پیشوائیت کا وجود نہیں۔اس میں جملہ امور، مملکت کی طرف سے طے پاتے ہیں۔ اور وہی قوانین کی تعبیر کا فریضہ سر انجام دیتی ہے۔'' طلوعِ اسلام ستمبر 1983ء، ص:32)۔

عدل بلا قیمت:

''قانونی عدل کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ اس کا حصول بلا قیمت ہو۔۔آپ سوچئے کہ کیا اس قسم کی صورت کبھی عدل کہلا سکتی ہے کہ آپ کسی صاحبِ قوت سے جا کر کہیں کہ میں کمزور ہوں، اور فلاں زور آور میرا حق دبا کر بیٹھ گیا ہے۔آپ میری مدد کریں اور میرا حق اس سے دلا دیں۔اور وہ آپ سے کہے کہ مجھے پانسو روپیہ (بطور رشوت نہیں بلکہ کورٹ فیس کی شکل میں) دو تب تمہاری مدد کروں گا!۔اسلامی حکومت کا تو یہ فریضہ ہے کہ وہ مظلوم کی مدد کرے اور حق دار کو اس کا حق دلا دے۔ایسا کرنے میں مظلوم سے معاوضہ کس بات کا؟۔یہ تو مملکت کا بنیادی فریضہ ہے اور فریضہ کی ادائیگی کا معاوضہ کیا؟۔

نقصان کی تلافی:

اسلامی مملکت میں عدل کا تقاضا ایک اور بھی ہے۔حکومت اس بات کا ذمہ لیتی ہے کہ وہ افرادِ مملکت کی جان، مال، عصمت، عزت، آبرو کی حفاظت کرے گی۔اگر کسی شخص کا (اس کی اپنی غلطی یا غفلت کے بغیر) اس باب میں کوئی نقصان ہوتا ہے تو اس کی ذمہ دار حکومت ہوتی ہے۔حکومت کا فریضہ یہ ہے کہ: (1) اس شخص کے نقصان کی امکانی تلافی کرے۔اور (2) مجرم کو اس کے جرم کی سزا دے تا کہ معاشرہ میں جرائم کی روک تھام ہو جائے۔آپ سوچئے کہ ایک شخص کا ہزار روپیہ چوری چلا جاتا ہے اور حکومت، چور کو سال بھر کے لئے قید کر دیتی ہے، تو اس سے اس شخص کے ساتھ عدل کیا ہوا جس کا مال چوری چلا گیا تھا؟۔چور کو سزا دینا، ظالم کے ساتھ عدل ہوا، مظلوم کے ساتھ نہیں۔عدل، ظالم اور مظلوم دونوں کے ساتھ ہونا چاہیئے۔

فیصلہ سے پہلے سزا:

قرآنی عدل کا تقاضا یہ بھی ہے کہ جب تک کسی کے خلاف جرم ثابت نہ ہوجائے، نہ اسے کسی قسم کی تکلیف پہنچائی جائے

اور نہ ہی وہ معاشرہ کی نگاہوں میں حقیر سمجھا جائے۔ تفتیش کے سلسلہ میں ملزم پر پولیس کا تشدد، یا عدالتی فیصلہ تک ملزم کو جیل خانہ میں محبوس رکھنا، عدل کے منافی ہے اور بغیر مقدمہ چلائے کسی کو سزا دے دینا سراسر ظلم۔ قرآن کریم نے بعض جرائم (قتل، چوری، زنا اور بغاوت) کی سزا بھی مقرر کی ہے۔ یہ سزائیں کن حالات میں اور کن شرائط کے مطابق دی جاسکتی ہیں، اس کا فیصلہ اسلامی مملکت کرے گی۔

نہ خوف نہ حزن:

قرآن کریم نے اسلامی معاشرہ کی خصوصیت یہ بتائی ہے کہ اس میں: فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (2:38) کسی کو نہ کسی قسم کا خوف ہوگا نہ حزن۔ خوف، خطرہ کے احساس سے لاحق ہوتا ہے اور حزن، دل کی افسردگی اور پریشانی کو کہتے ہیں۔ اسلامی مملکت کا فریضہ ہے کہ وہ ایسا انتظام کرے۔۔۔ کہ افرادِ مملکت اپنے آپ کو ہر قسم کے خطرہ سے محفوظ و مامون محسوس کریں اور امن پسند شہریوں کو کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ یہ عدل کا بنیادی تقاضا ہوگا۔

اعمال کے نتائج کی ذمہ داری:

اور سب سے بڑی بات یہ کہ: وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى (6:164) اسلامی معاشرہ میں کبھی ایسی صورت پیدا نہیں ہوگی کہ بوجھ کسی کا ہو اور اسے اٹھانا کسی اور کو پڑے، ہر شخص کو اپنا فریضہ آپ ادا کرنا ہوگا اور ہر فرد اپنے اعمال کے نتائج کا آپ ذمہ دار ہوگا۔ اس میں، نہ کوئی مجرم قصاص (جرم کے مواخذہ) سے بچ سکے گا اور نہ ہی کسی بے گناہ کو ستایا جائے گا۔ اس میں ''کرے کوئی اور بھرے کوئی'' کی دھاندلی بھی نہیں ہوگی۔ اور قانون کی نگاہوں میں چھوٹے اور بڑے کی تمیز بھی نہیں۔ حتیٰ کہ سربراہِ مملکت بھی قانون سے بالا نہیں سمجھا جائے گا۔ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ (2:279) اس معاشرہ کا اصول ہوگا۔۔۔ یعنی نہ تم کسی پر زیادتی کرو، نہ تم پر کوئی زیادتی کرنے پائے۔'' ''معاشرتی اور قانونی عدل، مملکت کا بنیادی فریضہ ہوگا۔ معاشرتی عدل سے مراد یہ ہے کہ افرادِ معاشرہ کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جن کی تشریح ''بنیادی حقوق'' کے ضمن میں کر دی گئی ہے۔ اور ان کے عدم حصول کی صورت میں عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا جائے گا۔'' (ستمبر 1983ء، ص:34) ''قانونی عدل سے مراد یہ ہے کہ ہر متنازعہ معاملہ کا فیصلہ قانون کی رو سے ہوگا۔ اور اس کے لئے کوئی معاوضہ نہیں لیا جائے گا۔ نیز فیصلہ میں یہ امر ملحوظ رکھا جائے گا کہ مظلوم کے نقصان کی بھی امکانی تلافی ہو جائے۔ حکومت عدالت کے ہر فیصلہ کی پابند ہوگی۔ اور نظامِ عدل کو معطل یا سلب کرنے، یا اس پر پابندیاں لگانے کی مجاز نہیں ہوگی۔'' (اکتوبر 1981ء، ص:38-36)۔

سوشل جسٹس:

اپریل 1980ء، صفحہ نمبر:29: ''یہ تھا عدل۔۔۔ یعنی قانون کے مطابق چلنے کا ایک گوشہ۔ اس کا دوسرا گوشہ وہ ہے جسے آج کل کی اصطلاح میں ''عدلِ عمرانی (Social Justice) کہا جاتا ہے۔ سوشل جسٹس کی اصطلاح آج کل بڑی

عام ہو رہی ہے اور اس کا ہر جگہ چرچا سنائی دیتا ہے۔ لیکن اس اصطلاح کا صحیح مفہوم کیا ہے، اس کے متعلق ابھی تک متفق علیہ کچھ نہیں کہا گیا۔ یہ اصطلاح بھی، سوشلزم کی طرح ہر ذہن میں الگ مفہوم کی حامل ہے۔ بنیادی طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ اس سوسائٹی کو مبنی بر عدل (just) کہا جائے گا جس میں ہر فرد کو وہ کچھ مل جائے جس کا وہ حقدار ہے۔ لیکن یہیں سے پھر دوسرا سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ یہ کس طرح متعین کیا جائے کہ کوئی شخص کس چیز کا حقدار ہے۔ مختلف افراد کے حق (یا واجب۔due) کا تعین، پہلے سوال سے بھی زیادہ مشکل ہے اور اسی سے ساری پیچیدگیاں ابھرتی ہیں۔ ایک طرف سے جواب ملتا ہے کہ ایک شخص صرف اس کا حق دار ہے جو اسے معقول اخلاقی اصولوں (Valid Moral Principles) کے مطابق ملے۔ لیکن یہ اخلاقی اصول کیا ہیں؟۔ یہ سوال پھر بحث طلب رہ جاتا ہے۔ اس موضوع پر جو کچھ اس وقت تک میری نظروں سے گزرا ہے اس میں (Emil Brunner) کا پیش کردہ مفہوم میرے نزدیک قرآنی تصور کے مطابق ہے۔ وہ کہتا ہے کہ:۔ ''جو شخص فی الواقعہ سنجیدگی کے ساتھ کہتا ہے کہ فلاں بات مبنی بر عدل (just) اور فلاں ظلم پر مبنی (unjust) ہے، وہ درحقیقت کہتا یہ ہے کہ عدل اور ظلم کے ماپنے کا ایک ایسا پیمانہ ہے جو تمام انسانی قوانین، معاہدات، رسوم و رواج سے ماوراء ہے۔ وہ ایک ایسا معیار ہے جس سے تمام انسانی معیار ماپے اور پرکھے جا سکتے ہیں۔ یا تو اسے تسلیم کرنا ہوگا کہ عدل کے لئے اس قسم کا مطلق، الوہیاتی معیار موجود ہے۔ ورنہ اس لفظ کا مفہوم انفرادی بن کر رہ جائے گا۔ جو ایک کے نزدیک قابلِ قبول ہوگا اور دوسرے کے نزدیک ناقابلِ تسلیم۔ عدل کے لفظ سے مفہوم یا تو خداوندی فیصلہ ہوگا جس کے ساتھ حقِ مطلق ہونے کی تقدیس شامل ہوگی اور یا پھر یہ محض جھوٹے نگوں کی مینا کاری اور ملمع سازی ہوگی۔'' (Justice and the social order)۔

قرآنی حق:

قرآن کی رو سے عدل کی تعریف اسی قسم کی ہے۔ یعنی کسی شخص کو وہ کچھ مل جانا جس کا وہ، از روئے قوانینِ خداوندی حقدار ہے، عدل کہلائے گا اور یہ قوانین، قرآن کے اندر موجود ہیں۔ لہٰذا، قرآن کی رو سے سوشل جسٹس کے معنی ہوں گے ہر شخص کو اس کا قرآنی حق ادا کر دینا۔ قرآنی مملکت اس قسم کے سوشل جسٹس کو عملاً بروئے کار لانے کی ایجنسی ہے۔

مروّجہ نظامِ عدل:

طلوعِ اسلام جولائی 1981ء، صفحہ نمبر:15: ''قرآن کریم نے بھی قواعد وضوابط اور احکام وقوانین دیئے ہیں، اور ان کی پابندی ضروری قرار دی ہے۔ ان احکام وقوانین کی رو سے معاشرہ میں نظامِ عدل قائم ہوتا ہے، اور نظامِ عدل کو قرآن نے بڑی اہمیت دی ہے۔۔۔ لیکن قرآنی نظامِ عدل اور بیوروکریسی کے نظامِ عدل میں بنیادی فرق ہے۔ اور وہ فرق یہ ہے کہ بیوروکریٹک نظام میں نہ مجرموں کو انسان سمجھا جاتا ہے، نہ جج کے سینے میں دھڑکنے والا دل ہوتا ہے۔۔۔ اس میں ضابطہء قوانین کی حیثیت اور کیفیت اس پمفلٹ کی سی ہوتی ہے جس میں مشین کی تفصیلات درج ہوتی

ہیں۔جج اس مشین کا آپریٹر ہوتا ہے جو آنکھیں بند کر کے اس کی ہتھی گھما دیتا ہے۔۔اس میں انسانی (Consideration) کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔یہ بات دو ایک مثالوں سے واضح ہو جائے گی۔ایک کا تعلق قانونِ شریعت سے ہے، دوسری کا ملکی قانون سے۔

فتویٰ:

ایک شخص غصے سے مغلوب ہو کر اپنی بیوی کو طلاق، طلاق، طلاق کہہ دیتا ہے۔غصہ فرو ہونے پر وہ اپنی حماقت پر نادم ہوتا ہے اور مفتی صاحب سے پوچھتا ہے کہ اس غلطی کے ازالے کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟۔وہ فرماتے ہیں کہ شریعتِ حقہ کی رو سے اس کی ایک ہی صورت ہے۔اور وہ یہ کہ تمہاری بیوی کسی اور شخص سے نکاح کرے۔ایک رات کی ''شب باشی'' کے بعد وہ اسے طلاق دے دے اور اس کے بعد تم اس سے دوبارہ نکاح کرو۔یہ سن کر پانچ چھ بچوں کی ماں، پچاس سالہ بڑھیا پر قیامت گزر جاتی ہے۔وہ اس قسم کی بے غیرتی کا تصور تک نہیں کر سکتی۔وہ روتی ہے، بلبلاتی ہے اور مفتی صاحب سے کہتی ہے کہ غلطی اور حماقت تو اس کے خاوند نے کی اور اس کی اس قدر شرم ناک سزا اسے دی جا رہی ہے۔کس جرم کی پاداش میں؟۔مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ میں کیا کر سکتا ہوں۔فقہ میں ایسا ہی کہا گیا ہے۔شریعت کا یہی حکم ہے۔میں اس میں تبدیلی نہیں کر سکتا۔۔قطع نظر اس کے کہ یہ شرعی حکم بھی ان حضرات کا خود ساختہ ہے۔سوال یہ ہے کہ کیا اس شریعت میں اس قسم کی مظلوموں کی غیرت و حمیت کی کوئی گنجائش نہیں؟۔یہ عفت مآب، انسان نہیں، مشین ہے! مفتی صاحب ان سوالات کا جواب دینے کے لئے اپنے آپ کو مکلّف نہیں پاتے۔۔وہ فتویٰ صادر فرما دیتے ہیں اور مطمئن ہو جاتے ہیں کہ انہوں نے شریعتِ حقہ کا تقاضا پورا کر دیا۔فالحمد للہ علیٰ ذالك!۔سزا کس کو ملی؟ (2) مجسٹریٹ نے چوری کے مجرم کو چھ ماہ کی قید کا حکم سنا دیا۔ضابطہء تعزیرات کی رو سے یہ بالکل ٹھیک تھا۔۔۔یہ مجرم، اپنے بیوی بچوں اور بوڑھے ماں باپ کا واحد کفیل تھا۔قانون نے اپنا تقاضا پورا کر لیا لیکن کسی نے یہ نہ دیکھا کہ چھ ماہ تک اتنے بڑے غریب خاندان کی روٹی کا کیا ہوگا!۔مجرم کو تو اپنے جرم کی سزا ملی، لیکن اس خاندان کو کس جرم کی پاداش میں یہ سزا ملی؟۔۔۔اور سزا بھی ایسی جو مجرم کی سزا سے بھی زیادہ سخت ہے۔مجرم کو جیل خانہ میں التزاماً روٹی ملتی رہے گی لیکن اس خاندان کی روٹی کی ذمہ داری کسی کے سر پر نہیں ہوگی!۔قانون اور عدالت کی نگاہوں میں یہ انسان ہیں ہی نہیں!۔مجرم کے بچے بھوک سے مر جائیں گے تو اس سے اس مجسٹریٹ (یا واضعینِ قانون) کے دل میں نہ کوئی کھٹک پیدا ہوگی، نہ ان سے کسی قسم کی باز پُرس ہوگی!۔

(جاری ہے)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شرحِ جاوید نامہ شائع ہوگئی!

مفکرِ قرآن غلام احمد پرویز علیہ الرحمتہ کے لیکچرز کی تحریر پر مشتمل اپنے انداز کی منفرد شرح جاوید نامہ شائع ہوگئی ہے۔ بڑے سائز کے 800 صفحات پر مشتمل اِس یکتائے روزگار شرح کی قیمت صرف ایک ہزار روپے ہے۔ ''جاوید نامہ'' کیا ہے اس کے متعلق پرویز علیہ الرحمتہ کی زبانی خود ملاحظہ فرمایئے:۔

''علامہ اقبالؒ کی فارسی کی کتاب ہے ''جاوید نامہ''۔ اگر آپ نوجوانوں کو اسلام کی تعلیم دینا چاہتے ہیں تو میں یہ عرض کروں گا' مبالغے کی بات نہیں ہے' یہ ایک کتاب ''جاوید نامہ'' پڑھا دیجئے لیکن اس کے پڑھانے کے لیے ایسے لوگوں کی یا ایسے شخص کی ضرورت ہوگی جو علومِ حاضرہ کے اوپر پوری دسترس رکھتا ہو۔ یہ بڑی جامع کتاب ہے اور میں سمجھتا ہوں یہ اقبالؒ کی فکر کا شاہکار ہے۔ تاریخ عالم پہ نگاہ' مذاہبِ عالم پہ نگاہ' سارے فلسفے کے اوپر نگاہ' الٰہیات کے اوپر نگاہ' سوشیالوجی کے اوپر نگاہ' تمدن کے اوپر نگاہ' نظام کے اوپر نگاہ' سب سے بڑی یہ چیز کہ قرآن کی گہرائیوں کے اوپر بڑی نگاہ۔ اگر کہیں یہ چیز نصاب کی اس انداز سے سامنے آئے پھر آپ دیکھئے گا کہ انہی نوجوانوں کی ذہنیت کیسے بنتی ہے اور کیا بنتی ہے۔ یہ جو چیز ہے کہ کوئی دوسری قوم آئے گی۔ بڑا حسین انداز ہے۔ اقبال کے الفاظ ہیں وہ اس انداز سے بات شروع کرتا ہے کہ یہ نظام آیا تو ملوکیت بھی گئی اور یہ پاپائیت بھی گئی اور سرمایہ داری بھی گئی یہ سب چیزیں انہوں نے اُڑا دیں۔ میرے دل کے اندر جو بات چھپی ہوئی ہے آج میں اسے بے نقاب کہہ دینا چاہتا ہوں۔ الفاظ نہیں مل رہے یہ کہنے کے لیے کہ میں کیا کہوں کہ یہ قرآن ہے کیا' یہ کتاب تو نہیں کچھ اور ہی ہے۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ جب جان کے اندر کسی کے یہ اتر جاتی ہے تو جان بدل جاتی ہے اور جب جان بدل جاتی ہے تو دنیا بدل جاتی ہے''۔

(بحوالہ دروس القرآن سورۃ المائدہ آیات 51 تا 56)

منگوانے کا پتہ

ادارہ طلوعِ اسلام 25-B گلبرگ 2، لاہور۔54660، پاکستان
فون: 042-35714546 Idara@toluislam.com

ڈاکٹر شاکر حسین خان
ورننگ فیکلٹی ممبر شعبہ علومِ اسلامی جامعہ کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غلام احمد پرویزؒ میری نظر میں

علامہ غلام احمد پرویزؒ سے زیادہ واقفیت تو نہیں البتہ بیس سال سے وقتاً فوقتاً ان کا نام نامی اسم گرامی مع القابات سننے کو ملتا رہا ہے، ہم نے ان کے لیے سحر انگیز تحریر لکھنے والا، منکرِ حدیث، منکرِ رسالت اور قادیانی وغیرہ کے القابات سنے ہیں۔ ہمارے کانوں میں پرویزی اور چکڑالوی کے الفاظ بھی گونجتے ہیں جو یقیناً مذہبی علماء ہی سے سنے تھے، ہمیں اچھی طرح یاد ہے کہ ہم نے علامہ پرویزؒ کا نام استادِ محترم علامہ محمد فیض احمد اویسیؒ کی زبانی (دورہ تفسیر القرآن، 1998ء (بمقام جامع مسجد بلال سیکٹر الیون سی ون آدم ٹاؤن نارتھ کراچی) کے دوران) سنا تھا۔

2000ء کا ذکر ہے راقم الحروف ایم۔اے سال اول شعبہ علومِ اسلامی جامعہ کراچی میں زیرِ تعلیم تھا، استادِ محترم پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوجؒ ہمیں فقہ و تاریخ فقہ پڑھاتے تھے، ایک دن اوج صاحب نے کلاس روم میں دورانِ لیکچر دریافت فرمایا کہ ''آپ میں سے کسی نے علامہ پرویز کا نام سنا ہے؟'' خاکسار نے عرض کیا! وہی جن کی جماعت کے لوگ پرویزی کہلاتے ہیں سر، میرا یہ جواب سن کر مسکرائے اور پھر ان کے حوالے سے گفتگو فرمائی (وہ گفتگو مجھے یاد نہیں)۔۔۔۔۔

2006ء کا ذکر ہے کہ خاکسار ڈاکٹر اوج کے آفس میں کتابیں دیکھ رہا تھا، ایک رسالے پر نظر پڑی جس کا عنوان تھا ''قرآنِ کریم کے خلاف گہری سازش'' اس کے مصنف کا نام تھا ''پرویز'' اس رسالے کو پڑھا قرآنِ کریم کے حوالے سے ایسا لٹریچر کبھی نہیں پڑھا تھا، ان کی تحریر دل کو بھا گئی، جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے، فوراً سورۃ الحجرات کی آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَاۗءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا (49:6) کا مضمون ذہن میں آ گیا، پرویز صاحب کی شخصیت کے حوالے سے جو منفی سوچ اور غیر صحیح تصور قائم تھا، کافور ہو گیا، ان کی شخصیت اور ان کے مذہبی افکار جاننے کی جستجو پیدا ہوئی اور یہ کہ مذہبی لوگوں سے اعتماد اٹھتا رہا اور یہ خیال گزرا کہ ہمارے مذہبی رہنما کتنی کذب بیانی سے کام لیتے ہیں اور اپنے مخالف کو کافر اور گستاخِ رسول کہنے سے بھی دریغ نہیں کرتے، ابولہبی اسی کو تو کہتے ہیں کہ ہماری چوھدراہٹ پر ذرا سی بھی آنچ نہ آنے پائے۔ دوسرا یہ کہ نام نہاد مذہب کے علمبردار قرآنِ کریم کے متعلق حدیثی روایات کے طفیل قرآنِ کریم کو نامکمل تصور کرتے ہیں اور قرآنِ کریم کے خلاف طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں۔ جب کہ قرآنِ کریم کا واضح ارشاد موجود ہے کہ: ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ (2:2) یعنی ''یہ ذیشان کتاب! ذرا شک نہیں

ہے اس میں۔''

راقم الحروف نے 2002ء تا 2008ء کے عرصے میں اپنا تحقیقی مقالہ برائے ایم فل / پی۔ایچ۔ڈی مکمل کیا (جس کا عنوان تھا ''جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری کی علمی و دینی خدمات'') ان ہی ایام میں ''شہکارِ رسالت عمرِ فاروقؓ'' سے استفادہ کرنے کا موقع میسر آیا کتابِ مذکورہ کے مطالعے سے جان کاری ہوئی کہ پرویز صاحبؒ خاندانی طور پر سنی حنفی چشتی تھے (مقدمہ بعنوان، گزرگاہِ خیال ''شہکارِ رسالت عمر فاروقؓ'' نیو ایڈیشن، بار دہم، دسمبر 2014ء، ص:1)، انہوں نے کتابِ مذکورہ میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی تفسیر تفہیم القرآن کا حوالہ بھی دیا ہے جس کے اخذ کرنے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ ''ہم نے تفہیم القرآن کا حوالہ اس لیے دیا ہے کہ یہ ہمارے زمانہ کی (اردو میں) یوں کہئے کہ Latest تفسیر ہے جس میں متقدمین کی تفسیر کو یکجا کر دیا گیا ہے (شہکارِ رسالت عمرِ فاروقؓ، ایڈیشن ششم 1998ء، ص:156، نیو ایڈیشن بار دہم، دسمبر 2014ء، ص:158) کتابِ مذکورہ میں متعدد حدیثیں اور تاریخی واقعات بھی قلم بند کیے ہیں، پرویز صاحب کی ایک اور کتاب ''معراجِ انسانیت'' تک بھی رسائی ہوگئی اس کتاب میں بھی متعدد احادیث پیش کی گئی ہیں، اگر پرویز صاحب کی نقل کی ہوئی حدیثوں کو ایک الگ کتاب کی صورت میں شائع کیا جائے تو بہت بہتر رہے گا اور دشمنانِ اسلام کے منہ پر بہت زوردار طمانچہ ثابت ہوگا جو علامہ پرویز کو سنت کا منکر کہتے پھرتے ہیں۔

میری ذاتی رائے یہ ہے کہ مسلمانوں کا ہر مکتبِ فکر اپنے اپنے نظریات کے مطابق حدیثوں کو مانتا ہے اور جو حدیث اس کے عقیدے کے خلاف ہوتی ہے اس کا رد کر دیتا ہے پرویز صاحب ان حدیثوں کو قبول کرتے ہیں جو ان کے قرآنی مسلک یعنی قرآنِ کریم کی تعلیمات کے مطابق ہو، پرویز صاحب کا یہ اصول کوئی انوکھا یا نیا نہیں تھا، امامِ ابوحنیفہؒ تابعین میں قرآنی فکر کے آدمی تھے۔ وہ حدیثوں کو قرآنِ کریم کی روشنی اور عقل کی کسوٹی میں پرکھتے تھے۔ رسول اکرم ﷺ دنیا کے عقلمند انسانوں میں گلِ سرسبد تھے۔ آپ ﷺ کا فرضِ منصبی قرآن و دانش مندی کی تعلیم دینا تھا، آپ ﷺ کا کوئی بھی فرمان قرآن و عقل کے خلاف نہیں تھا، اس لیے جو حدیثی روایت قرآنِ کریم اور عقل کے خلاف ہو وہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان کیسے ہوسکتا ہے؟

استادِ محترم ڈاکٹر شکیل اوج کے ایک عزیز دوست محترم کیپٹن (ر) محمد صدیق احمد صاحب کبھی کبھی ڈاکٹر اوج سے ملاقات کے لیے تشریف لاتے تھے، اگرچہ ان کا تعلق طلوعِ اسلام سے نہیں تھا لیکن قرآنی فکر کے آدمی تھے اس لیے پرویز صاحب کا بھی ذکر نکل آتا تھا، ان کے ذریعے بھی قرآنی لٹریچر ملتا رہتا تھا، ڈاکٹر اوج کی وفات کے بعد کئی مرتبہ ان کی یاد آئی لیکن ہمیں ان کا اتا پتا معلوم نہیں تھا اس لیے ان سے ملاقات کی کوئی سبیل نہ بن سکی، آخر کار ایک دن ان سے رابطہ ہوگیا، نہایت نفیس اور شفیق آدمی ہیں خاکسار جو بھی قرآنِ کریم کے حوالے سے تحقیقی کام کرتا ہے پہلے انہیں ضرور دکھا دیتا ہے، الغرض کیپٹن صاحب بھی پرویز صاحب کے تعارف کا وسیلہ بنے۔

کیپٹن صاحب، پرویز صاحب کے متعلق اکثر فرماتے رہتے ہیں کہ ''پرویز صاحب ایک Idealist تھے اور Utopia کے قائل تھے، انہوں نے ''مفہوم القرآن'' اپنے وقت سے بہت پہلے، شاید ایک صدی پہلے لکھدی اس لیے روایتی لوگوں کو سمجھ نہ آئی، حالانکہ انہوں نے اس کے مقدمہ میں تحریر فرمادیا تھا کہ وہ قرآنِ کریم کا ترجمہ نہیں کررہے بلکہ اس کا مفہوم لکھ رہے ہیں۔''

ریگل چوک صدر کراچی میں ہر اتوار کو پرانی کتابوں کا بازار لگتا ہے، کبھی کبھی جانے کا اتفاق ہوجاتا ہے، ایک مرتبہ ماہنامہ طلوعِ اسلام، لاہور کے چند قدیم نسخے (مئی، جون اور اگست 1967ء کے شمارے) مل گئے، ایک مرتبہ ''مطالب الفرقان'' کی جلد نمبر 4 نظر آئی فوراً خرید لی، اس طرح شہرہ آفاق کتاب ''سلیم کے نام'' بھی مل گئی کتابِ مذکورہ کا ذکر جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری کے سوانح نگار، اور ماہنامہ ضیائے حرم، اسلام آباد (رسالہ مذکورہ پہلے لاہور سے شائع ہوتا تھا) کے مدیر پروفیسر حافظ احمد بخش نے اپنی تصنیف، جمال کرم میں کیا ہے (پروفیسر حافظ احمد بخش، جمالِ کرم، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، مارچ 2003ء جلد اول، ص: 247، 248) منکرینِ سنت کے حوالے سے بحث ہے۔ خاکسار نے اپنے پی۔ ایچ۔ ڈی، کے مقالے میں ان کی اس تحریر پر تبصرہ کیا ہے (ملاحظہ فرمائیں خاکسار کا مقالہ برائے پی۔ ایچ۔ ڈی، عنوان ''جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری کی علمی و دینی خدمات ص: 409 تا 412، ایوارڈ ڈ 2009ء جامعہ کراچی)۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ حافظ صاحب اپنی مذکورہ تصنیف کی جلد سوم میں فرماتے ہیں ''سنت خیر الانام کے بارے میں آپؒ نے بتایا کہ یہ تصنیف میں نے جامعہ ازہر میں مکمل کی اور غلام احمد پرویز کے خیالات کا مکمل رد کیا۔ اس نے اپنی تصنیف طلوعِ اسلام (طلوعِ اسلام تصنیف نہیں ماہنامہ ہے جو 1938ء سے باقاعدہ لاہور سے شائع ہوتا ہے) میں جواب دیا کہ ہم اس نوجوان کی قدر کرتے ہیں اور ساتھ ہی عرض کرتے ہیں کہ ہم سنت کے منکر نہیں'' (پروفیسر حافظ احمد بخش، جمالِ کرم، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، مارچ 2003ء، جلد سوم ص: 722)۔

استادِ محترم ڈاکٹر اوجؒ نے اپنے قتل سے چند ماہ قبل خاکسار سے فرمایا کہ ''میں فیصلہ نہیں کرسکا کہ اقبال بڑا آدمی تھا یا پرویز'' بڑے آدمی سرسید ہوں یا اقبال یا پرویز ہم اس بات میں الجھنا نہیں چاہتے۔ مختصر یہ کہ ہمیں پرویز صاحب کی اکثر باتیں بآسانی سمجھ آجاتی ہیں، وہ ہمارے لیے دیگر مذہبی رہنماؤں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ثابت ہوئے ہیں۔ ہمیشہ سے ہمارے مذہبی بزرگ یہی فرماتے رہے خبردار بدمذہبوں کی صحبت سے بچنا، ان کی کوئی تحریر نہ پڑھنا ورنہ شیطان وسوسہ ڈال گا (حالانکہ وہ خود انکی کتابوں سے استفادہ کرتے رہے ہیں)، بدمذہبوں کے پیچھے نماز نہیں ہوتی (جب کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ۝ (2:43)، بغیر استاد کے قرآن نہ پڑھنا ورنہ گمرہ ہوجاؤ گے، قرآن پڑھ کر بہت سے لوگ گمرہ بھی ہوجاتے ہیں (معاذ اللہ) میں سونچتا ہوں کہ غیر مسلم تو قرآن پڑھ کر ہدایت پاتے ہیں اور

ہم مسلم قرآن پڑھ کر کیسے گمراہ ہو سکتے ہیں؟۔۔خبردار دوسروں کا ترجمہ وتفسیرِ قرآن نہ پڑھنا، وغیرہ وغیرہ اس طرح کی پابندیاں لگانا ایک مشکوک عمل لگتا ہے، عوام میں یہ مشہور ہے کہ کبوتر اور انسان کو آزاد چھوڑ دو آپ کا ہوگا تو واپس آجائے گا۔ معاشرے میں یہ بھی مشہور ہے کہ اکثر انہی گھروں کی لڑکیاں بھاگتی ہیں جو اپنی لڑکیوں پر اعتماد نہیں کرتے۔

ان مذہبی رہنماؤں کے برعکس پرویز صاحب کہتے ہیں کہ ''میں اپنی بصیرت کے مطابق قرآنی فکر پیش کرتا ہوں آپ کے لیے ضروری ہے کہ آپ خود قرآنِ کریم پر غور وفکر کے بعد فیصلہ کریں کہ میری فکر صحیح ہے یا نہیں، اسے اچھی طرح سن رکھئے کہ جس دن آپ نے دین کے معاملے میں قرآنِ کریم کے بجائے کسی انسان کو سند مان لیا آپ نے فرقہ بندی کی بنیاد رکھ دی اور یہ آپ کو معلوم ہے کہ فرقہ پرستی قرآن کی رو سے شرک ہے'' (بحوالہ ماہنامہ طلوعِ اسلام، لاہور اپریل 1960ء)

فیس بک پر مختلف اداروں سے تعلق رکھنے والوں اور مختلف نظریات کے حامل افراد کی طرح طلوعِ اسلام سے منسلک افراد سے بھی دوستی ہوگئی اس طرح علامہ پرویزؒ کی وڈیو تقاریر دیکھنے اور سننے کا موقع ملا اور اُن کے افکار سے آگہی ہوگئی، ایک اور بات کی بھی وضاحت کردوں کہ صلوٰۃ/نماز کے متعلق پرویز صاحب کا کیا نظریہ ہے؟ فیس بک پر ان کا ایک ٹی وی پروگرام دیکھا جو کسی زمانے میں پاکستان ٹیلی وژن سے نشر ہوا ہوگا، اس پروگرام میں آپ نے فرمایا تھا کہ ہمارے ادارے کا نام طلوعِ اسلام ہے اور ہم پانچ وقت کی نمازوں کے قائل ہیں، البتہ ایک گروہ ہے جو اپنے آپ کو اہلِ قرآن کہتا ہے، تین وقت کی نمازوں کا قائل ہے، ہمارا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ پرویز صاحب کے افکار ونظریات جاننے کے بعد خاکسار اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ علامہ غلام احمد پرویزؒ مفکرِ قرآن، مجاہدِ اسلام، عقیدہ ختمِ نبوّت کے حقیقی سپاہی، محبِ رسولؐ وصحابہؓ، مخلص مؤمن، نیک انسان اور سچے پاکستانی تھے، ان کے خلاف جو پروپیگنڈا کیا جاتا ہے وہ اسلام اور وطن دشمن عناصر کی شرارت ہے۔ میری نظر میں جو علامہ پرویز کو کافر، منکرِ حدیث، منکرِ رسالت، اور قادیانی کہتا ہے وہ کذاب ہے اور اللہ تعالیٰ کا ذِبین پر لعنت فرماتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوا:

لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿61﴾ (3:61)

''جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہے۔''

ایک مرفوع حدیث کے مطابق ''جو کسی مؤمن کو کافر کہتا ہے وہ خود کافر ہوجاتا ہے'' اور عام فتوے کی رو سے اس کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے، اس کی بیوی اس پر حرام ہوجاتی ہے وہ مرتد کہلاتا ہے، بغیر توبہ کے مرگیا تو جہنمی ہے، اس کا جنازہ پڑھنا اس کے لیے دعائے مغفرت کرنا جائز نہیں، یہی علماء جمہور کا قول ہے وغیرہ وغیرہ۔۔۔

راقم الحروف کو ان صوفیوں پر تعجب ہوتا ہے جو اپنے آپ کو عاشقِ رسول کہتے ہیں لیکن گستاخوں کی آواز سے آواز بھی ملاتے ہیں۔ جو اپنے آپ کو بانیانِ پاکستان کی اولاد بھی کہتے ہیں اور ان مخالفینِ پاکستان کے ساتھ مل کر ملک کو نقصان بھی

پہنچاتے ہیں، صوفیوں کا ان منکرین کے ساتھ گانٹھ جوڑ کچھ چھپا نہیں، بھالو نے بھی کبھی مرغابی سے شادی کی ہے؟ صوفی ازم کے علمبردار بھی سنی سنائی باتوں میں آ جاتے ہیں، کیا ان کا یہ عمل قرآنِ کریم کی تعلیمات کے مطابق ہے؟ کیا صوفیوں نے پرویز صاحب کی کوئی تحریر پڑھی ہے؟ میرا حسنِ ظن ہے کہ اگر عصرِ حاضر کے صوفیاء کرام پرویز صاحب کو پڑھ لیتے تو وہ علامہ شبلی نعمانیؒ، مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ، پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ اور ڈاکٹر محمد طاہر القادری کو بھول جاتے لیکن صوفی تو سنی سنائی باتوں میں آ جاتا ہے۔

جب کہ اللہ تعالیٰ کا واضح فرمان ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰي مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۝ (49:6)

''اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمھارے پاس (کسی کے خلاف) کوئی خبر لائے تو پہلے خوب تحقیق کر لیا کرو کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ تم لاعلمی میں کسی گروہ کو نقصان پہنچا دو اور پھر تمہیں خود شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے۔''

اور ارشاد فرمایا:

فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ (4:94)

''تحقیق سے کام لیا کرو اور جو شخص تمہیں سلام کرے اس سے یہ نہ کہو کہ تم مؤمن نہیں۔''

اور فرمایا:

فَتَبَيَّنُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ (4:94)

''تحقیق کر لیا کرو اور جو عمل تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے۔''

کسی مؤمن کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ سنی سنائی باتوں میں آ جائے اور اپنے بھائیوں سے بدگمانی کرنے لگے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (49:12)

''اے ایمان والو گمان کرنے سے بچو بعض گمان گناہ ہیں۔''

خاکسار تمام اہل ایمان سے یہی عرض کرتا ہے کہ سنی سنائی باتوں میں نہ آئیں پہلے تحقیق کریں، حقائق جانیں۔ پھر کسی کے بارے میں کوئی رائے قائم کریں، علامہ غلام احمد پرویزؒ اہل ایمان و اہلیانِ پاکستان کے محسن ہیں، انہوں نے تحریک آزادیء پاکستان میں حصہ لیا، وہ علامہ محمد اقبالؒ کے شیدائی، قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ کے ساتھی تھے، انہوں نے ملک خداداد پاکستان میں نظامِ قرآن (نظامِ مصطفیٰ ﷺ) کے نفاذ کے لیے کوششیں کیں (تفصیل کے لیے ادارہ طلوعِ اسلام لاہور، کا لٹریچر مطالعہ کریں) لیکن فرقہ پرست عناصر نے نفاذِ شریعت کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے قیامِ پاکستان کی مخالفت کی، علامہ محمد اقبال کو فاسق، شرابی اور کافر کہا، قائدِ اعظمؒ کو کافرِ اعظم اور

پاکستان کو کافرستان کہا، اور قیامِ پاکستان کے بعد رنگ میں بھنگ ڈالنے آ گئے، کہتے ہیں کہ ہم اس ملک میں اسلامی نظام نافذ کریں گے، (ان مخالفینِ پاکستان کے رد میں مختلف علماء نے بھی قلم اٹھایا تھا) اور یہی مخالفینِ پاکستان، مفکرِ قرآن علامہ غلام احمد پرویزؒ کو منکرِ حدیث، منکرِ رسالت، اور قادیانی وغیرہ کہتے ہیں حالانکہ اُن دونوں تحریکوں (1953ء اور 74۔1973ء کی تحریک ختمِ نبوّت) سے پہلے پرویز صاحب قادیانیوں کی گرفت کر چکے تھے۔ جس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ بقول حافظ احمد بخش (مدیر ماہنامہ ضیائے حرم لاہور) کہ علامہ پرویز صاحب ماہنامہ طلوعِ اسلام لاہور میں ایک کالم ''سلیم کے نام'' لکھتے تھے، (پروفیسر حافظ احمد بخش، جمالِ کرم، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، مارچ 2003ء، جلد اول، ص:247)

راقم الحروف کے پاس ''سلیم کے نام'' خطوط کا مجموعہ کتابی صورت میں موجود ہے، جس کا مقدمہ بعنوان ''تعارف'' پرویز صاحب نے 26 مئی 1953ء کو کراچی میں تحریر کیا، آپ اس مقدمہ میں چودھویں خط کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے رقم طراز ہیں ''اس خط میں ضمناً ختمِ نبوّت کا بھی ذکر آ گیا ہے ''ختمِ نبوّت'' سے ہمارے ہاں صرف اتنا ہی مفہوم لیا جاتا ہے کہ ''مرزا غلام احمد سچّا تھا یا جھوٹا'' حالانکہ یہ انسانی دنیا کا ایک بہت بڑا مسئلہ ہے اور اس کا تعلق زندگی کے اہم گوشوں سے ہے لیکن یہ مسئلہ سمجھ میں نہیں آ سکتا جب تک پہلے خود مقامِ نبوّت اور مقامِ رسالت کی ماہیت سمجھ میں نہ آ جائے اور یہ نہ دیکھ لیا جائے کہ ان کا ہماری زندگی سے کیا تعلق ہے ،۔ پندرھویں اور سولھویں خط میں انہی عنوانات پر گفتگو کی گئی ہے'' (پرویز، سلیم کے نام (خطوط کا مجموعہ) ادارہ طلوعِ اسلام، کراچی، بارِ دوم اکتوبر 1954ء، ص:6) چودھویں خط کا دوسرا عنوان ہے ''ختمِ نبوّت کا مفہوم'' اس خط کے آخر میں درج ہے ''اپریل 1951ء''، (ایضاً، ص:239) پندھرویں خط کا عنوان ہے ''مقامِ محمدی ﷺ'' جو جنوری 1953ء کو تحریر کیا گیا، (ایضاً، ص:253) اس خط کے حوالے سے مزید گفتگو ماہ فروری میں کی گئی، (ایضاً، ص:261) جب کہ سولھویں خط کا عنوان ہے ''مقامِ رسالت'' اس پر بھی ماہِ فروری 1953ء درج ہے، (ایضاً، ص:281) ان ثبوتوں کے باوجود مخالفین، منکرِ رسالت اور قادیانی وغیرہ کے القابات سے نوازتے ہیں۔

شرم ان کو مگر نہیں آتی

فرائی ڈے اسپیشل میں پرویز صاحب کے خلاف لکھی جانے والی کتاب ''جناب غلام احمد پرویز کی فکر کا علمی جائزہ'' پر تبصرہ شائع ہوا (فرائی ڈے اسپیشل، 14 اکتوبر 2016ء)، ادارے کے نزدیک کتابِ مذکورہ اتنی اہمیت کی حامل تھی کہ اگلے شمارے میں بھی کتابِ مذکورہ پر تبصرہ شائع ہوا، جس کو محترم احمد حاطب صدیقی صاحب نے تحریر کیا تھا ان کا تبصرہ (بحث ونظر) ''منکرینِ حدیث کا علمی مُحاصرہ'' کے عنوان سے شائع ہوا، نقاد نے کوئی نئی بات نہیں کہی بلکہ ماضی کے وہی فتوؤں کی تکرار ہے جو مخالفینِ پاکستان اور روایت پسندوں کی جانب سے جاری ہوئے تھے (فرائی ڈے اسپیشل

21 اکتوبر، 2016ء) حالانکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ پرویز صاحب کی کتب وتحریرات کا غیر جانبدار ہو کر مطالعہ کیا جائے، ان کی خدمات کا اعتراف کیا جائے اور اگر کہیں قرآنِ کریم کے خلاف لکھ گئے ہیں تو اس کی نشاندہی کی جائے یہی علمی فکری اور تحقیقی حلقوں کا اسلوب ہے، کسی کی بے جا مخالفت کرنا، اپنی کم علمی و جہالت کو چھپانے کی خاطر اپنے مخالفین پر مختلف نوعیت کے فتوے لگانا آسان کام تو ہے لیکن مہذب انسانوں اور علمی شخصیات کا شیوہ نہیں بلکہ جاہلوں کا طریقہ ہے۔

خاکسار نے اپنے ایک کالج ٹیچر سے عرض کی کہ میں نے پرویز صاحب پر ایک مضمون لکھا ہے میں آپ کو چیک کرانا چاہتا ہوں، تو فوراً انہوں نے فرمایا شناختی کارڈ بناتے وقت حلف لیا جاتا ہے کہ پرویزی یا قادیانی تو نہیں؟ خاکسار نے عرض کیا کہ وہ تو قادیانی احمدی / لاہوری گروپ کے حوالے سے دریافت کیا جاتا ہے کہ ان سے تو تعلق نہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ ہمارے مذہبی حلقے کے مدارس میں اسناد دیتے وقت یہ حلف لیا جاتا ہے کہ ''تمہارا کسی شیعہ، رافضی، وہابی، دیوبندی، جماعتی، اہل حدیث، پرویزی، چکڑالوی، قادیانی، احمدی یا لاہوری گروپ سے کوئی تعلق نہیں، یہ لوگ گمراہ اور وغیرہ وغیرہ ہیں'' ان باتوں پر افسوس ہی کیا جا سکتا ہے، یہ بے چارے ایک لکڑی سے سب کو ہی ہانکتے ہیں، انہیں معلوم ہی نہیں کہ ہمارا دوست کون ہے اور دشمن کون ہے؟ بچاروں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ نبی اور رسول کی تعریف کیا ہے؟ اور ہمارے ہاں کس نے جامع طور پر نبی اور رسول کی تعریف کی ہے؟ اور ہماری عدالتوں میں کس کی لکھی ہوئی تعریف رائج ہے؟

آئیں ہم آپ کو (پرویز صاحب کا ایک اور کارنامہ) بتاتے ہیں کہ ''1926ء کا ذکر ہے ریاست بہاولپور کی ایک عدالت میں ایک مقدمہ دائر ہوا، جس میں ایک مسلمان خاتون نے یہ دعویٰ کیا کہ اس کے خاوند نے قادیانی مسلک اختیار کر لیا ہے، جس کی وجہ سے وہ مرتد ہو گیا ہے اس لیے اس شخص سے مدعیہ کا نکاح فسخ قرار دیا جائے اس مقدمہ نے ملک گیر شہرت حاصل کر لی۔۔ ہندوستان میں (غالباً) یہ اپنی نوعیت کا پہلا مقدمہ تھا جس میں فیصلہ طلب سوال یہ تھا کہ ایک شخص قادیانی مسلک اختیار کرنے سے مسلمان رہتا ہے یا نہیں''؟ (مرزائیت (قادیانیت) اور طلوعِ اسلام، شائع کردہ ادارہ طلوعِ اسلام، لاہور، تاریخ ندارد، ص:5)۔

''مرزائیت (قادیانیت) اور طلوعِ اسلام'' میں درج ہے کہ اسلامک فاؤنڈیشن، لاہور نے اسے ''مقدمہ مرزائیہ بہاولپور'' کے عنوان سے من وعن تین جلدوں میں شائع کیا ہے اور اس کی ضخامت 1756 صفحات پر مشتمل ہے، اس فیصلے میں صفحہ:17 پر لکھا ہے کہ مدعیہ کی طرف سے چھ گواہان مولوی غلام محمد صاحب شیخ الحدیث عباسیہ بہاولپور، مولوی محمد حسین صاحب سکنہ گوجرانوالہ، مولوی محمد شفیع صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند، مولوی مرتضیٰ حسن صاحب چاندپوری، سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری، مولوی نجم الدین صاحب پروفیسر اورینٹل کالج لاہور، پیش ہوئے، اس سے اس مسئلہ کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے، فاضل جج نے اپنے فیصلہ میں لکھا کہ اس مسئلہ کا سارا دارومدار اس بات پر تھا کہ نبوّت کی حقیقت

کیا ہے، نبی کسے کہتے ہیں؟ (فیصلہ مذکورہ ص 53)۔ آگے چل کر فاضل جج نے لکھا ہے کہ مدعیہ اور مختلف علمائے کرام کی پیش کردہ نبی کی تعریفیں میرا اطمینان نہ کرسکیں۔۔۔ آخر کار ایک رسالہ میں ایک مضمون بعنوان ''میکانکی اسلام'' از چوھدری غلام احمد صاحب پرویز، میری نظر سے گزرا۔۔۔ اس سلسلہ میں نبوّت کی جو حقیقت انہوں (پرویز صاحب) نے بیان کی ہے اس سے بہتر اور کوئی بیان نہیں کی جاسکتی۔۔۔ مدعیہ کی طرف سے ثابت ہوگیا کہ مرزا صاحب کاذب مدعیٔ نبوّت ہیں۔۔۔ مدعا علیہ قادیانی عقائد اختیار کرنے سے مرتد ہو چکا ہے لہٰذا اس کے ساتھ مدعیہ کا نکاح تاریخِ ارتداد سے مدعا علیہ سے فسخ ہو چکا ہے۔۔ (مرزائیت (قادیانیت) اور طلوعِ اسلام، ادارہ طلوعِ اسلام، لاہور سنِ تاریخ درج نہیں، ص: 6، 7، 10، بحوالہ مقدمہ مرزائیہ بہاولپور، اسلامک فاؤنڈیشن، 1، ڈیوس روڈ لاہور، صفحہ 101-102) کتاب مذکورہ کے اقتباسات سے عیاں ہوا کہ مشہورِ زمانہ مقدمہ کا فیصلہ پرویز صاحب کی ایک تحریر کی بدولت عمل میں لایا گیا۔

7 نومبر 2016ء کی شام مطالبِ فرقان کی جلد ہفتم کا پیش لفظ پڑھ رہا تھا جسے محترمہ زاہدہ خانم درانی صاحبہ نے تحریر کیا ہے، وہ فرماتی ہیں ''پہلی پانچ جلدیں ان کی زندگی ہی میں پیشِ نظرِ قارئین ہوکر دادِ تحسین حاصل کرچکی ہیں، جلد ششم طباعت کے لیے تیار تھی کہ وہ اپنے سفرِ حیات کی اگلی منزل کو جادہ پیما ہوگئے چنانچہ یہ جلد ان کے بعد شائع ہوئی، محترم پرویز صاحب نے زیرِ نظر جلد ہفتم کا مسودہ اکتوبر 1984ء (بسترِ علالت پر فراش ہونے) سے پہلے ہی لکھ ڈالا تھا'' یہ تحریر پڑھ کر مجھے چند اہلِ علم یاد آگئے، جو اپنی آخری تصنیف کو نامکمل چھوڑ کر اس دنیا سے کوچ کر گئے اُن میں علامہ شبلی نعمانیؒ، مفتی احمد یار خان نعیمیؒ، علامہ احمد سعید شاہ کاظمیؒ، علامہ عبدالمصطفیٰ الازہریؒ اور جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ شامل ہیں۔

الغرض خاکسار کو پرویز صاحب کے حوالے سے جو جان کاری تھی رقم کردی، خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک پرویز صاحب نے قوم وملت کی رہنمائی کی اور اپنی بے لوث علمی و دینی خدمات پیش کیں ان کی نیکی اور ان کے احسانوں کا یہ بدلہ نہیں ہوسکتا کہ ہم اپنے محسن کے لیے نازیبا الفاظ استعمال کریں۔

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ۚ (55:60)

اگر انہوں نے ہم پر تنقید بھی کی ہے تو وہ بجا طور کی ہے اور ان کا ہم پر تنقید کرنا ہماری اصلاح کرنا ان کا فرض بنتا تھا، اب وہ دنیا میں نہیں رہے اللہ کو پیارے ہوگئے، اب ہم ان کے لیے دعائے مغفرت ہی کرسکتے ہیں اللہ تعالیٰ مفکرِ قرآن علامہ غلام احمد پرویزؒ کی مغفرت فرمائے اور ان کی دینی علمی وملی خدمات کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔

آمین

خواجہ ازہر عباس، فاضل درسِ نظامی
www.azharabbas.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

طَاعَةٌ مَّعۡرُوۡفَةٌ ؕ

سب انبیاء کرام دین ہی کے داعی ہوتے تھے (42:12) لیکن ان کی وفات کے بعد ان کے متبعین اس دین کو مذہب میں تبدیل کر دیتے تھے اور مذہبی پیشوائیت اس مذہب کی اجارہ دار بن جاتی تھی۔ مذہب کی کوئی جامع و مانع تعریف نہیں ہو سکتی۔ یہ خدا اور بندے کے درمیان ایک ذاتی تعلق ہوتا ہے اور پرستش کرنے کی چند رسومات پر محدود ہوتا ہے۔ مراقبوں، گیان، دھیان، meditation، اور سخت محنت طلب رسومات پر منحصر ہوتا ہے۔ مذہبی پیشوائیت کی طرف سے ہمیشہ یہی کہا جاتا ہے کہ خدا کی پرستش کرو۔ اسی کو پوجو۔ حضرت شیخ الہند نے اکثر مقامات پر عبادت کا ترجمہ پوجنا کیا ہے۔ (39:66) لیکن اس کے برخلاف خدا کی محکومیت اختیار کرنا ایک عملی چیز ہے۔ جس میں یہ با آسانی معلوم ہو جاتا ہے کہ خدا کی محکومیت ہو رہی ہے کہ نہیں۔ مذہبی پیشوائیت مذہب کی حمایت اس وجہ سے بھی کرتی ہے کہ اس سے دین کی جو مشکل منزلیں ہوتی ہیں ان سے جان چھوٹ جاتی ہے۔ قرآن کریم جو انسان کو کسی دھوکہ یا مغالطہ میں نہیں رہنے دیتا اس لئے قرآن کریم نے سورۃ نور میں طَاعَةٌ مَّعۡرُوۡفَةٌ ؕ کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ قرآن کریم نے طَاعَةٌ کے ساتھ طَاعَةٌ مَّعۡرُوۡفَةٌ ؕ کے الفاظ اس لئے استعمال کئے ہیں کہ مذہب زدہ لوگوں کو خوب اچھی طرح واضح ہو جائے کہ دین کی اطاعت ایک ایسی اطاعت ہے جو جانی پہچانی ہوتی ہے۔ اور ڈنکے کی چوٹ پر ہوتی ہے کہ ہر شخص کو معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کی محکومیت ہو رہی ہے۔ مَّعۡرُوۡفَةٌ ؕ کے ایک لفظ نے پرستش کی جڑ کاٹ کر رکھ دی کیونکہ پرستش کے نتائج سامنے آتے ہی نہیں۔ اس لئے پرستش اور اطاعت کا واضح فرق سامنے آ گیا کہ کوئی شخص اس دھوکہ میں نہ رہے کہ ہم اللہ کی اطاعت کر رہے ہیں۔

(1) پرستش میں بڑی کشش ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ دونبیوں نے بڑی کوشش کر کے بنی اسرائیل کو مصر سے نکالا اور ان سے پرستش کی عادت چھڑوائی۔ لیکن جب چند روز کے لئے موسیٰؑ طور پر گئے تو بنی اسرائیل نے سامری کے کہنے پر پھر دوبارہ پرستش شروع کر دی۔ اس میں سامری کی کرشمہ سازی کم تھی اور بنی اسرائیل کی آمادگی کو زیادہ دخل تھا۔ دونوں نبیوں کی ساری محنت ضائع ہو گئی۔ لیکن ہارونؑ نے انہیں متنبہ کیا اور پرستش اور اطاعت کے فرق کو واضح کر دیا۔ ارشاد ہوتا ہے: لقد وَلَقَدۡ قَالَ لَهُمۡ هٰرُوۡنُ مِنۡ قَبۡلُ يٰقَوۡمِ اِنَّمَا فُتِنۡتُمۡ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحۡمٰنُ فَاتَّبِعُوۡنِىۡ وَاَطِيۡعُوۡۤا اَمۡرِىۡ ۝ (20:90) کہ ہم اسی کی پرستش سے باز نہیں آئیں گے جب موسیٰؑ واپس آئیں گے تو فیصلہ کر لیں گے۔ (20:91)

اس آیت کریمہ نے اطاعت اور اتباع کو بالکل مرادف المعنی استعمال کر کے پرستش کی جڑ کاٹ دی۔

(2) سورہ انفال میں ارشاد ہوا:

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ ہَاجَرُوۡا وَ جٰہَدُوۡا بِاَمۡوَالِہِمۡ وَ اَنۡفُسِہِمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ الَّذِیۡنَ اٰوَوۡا وَّ نَصَرُوۡۤا اُولٰٓئِکَ بَعۡضُہُمۡ اَوۡلِیَآءُ بَعۡضٍ ؕ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ لَمۡ یُہَاجِرُوۡا مَا لَکُمۡ مِّنۡ وَّلَایَتِہِمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ حَتّٰی یُہَاجِرُوۡا ۚ وَ اِنِ اسۡتَنۡصَرُوۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ فَعَلَیۡکُمُ النَّصۡرُ اِلَّا عَلٰی قَوۡمٍۭ بَیۡنَکُمۡ وَ بَیۡنَہُمۡ مِّیۡثَاقٌ ؕ وَ اللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ۝ (8:72)

مفہوم: بیشک جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں سخت کوشش کی اور جنہوں نے اُنہیں پناہ دی اور مدد کی۔ یہ لوگ ایک دوسرے کے دوست اور مددگار ہیں لیکن وہ لوگ جو ایمان تو لے آئے مگر ہجرت نہیں کی تمہیں ان کی سرپرستی اور مدد کی ضرورت نہیں جب تک کہ وہ لوگ ہجرت نہ کرلیں اور اگر وہ تم سے دین میں مدد مانگیں تو تم پر ان کی مدد کرنا ضروری ہے۔ مگر اس قوم کی cost پر نہیں کہ تم میں اور ان میں کوئی صلح کا معاہدہ ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو دیکھنے والا ہے۔

اس آیت سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ مکہ میں رہنے والے مومنین اپنے مقدمے حضورؐ کے پاس نہیں لاتے تھے اور جو احکام مدینے میں روزانہ نافذ ہورہے تھے مکی مسلمان ان کی تابعداری نہیں کرسکتے تھے۔ لیکن جو مسلمان مدینے میں تھے انہیں اپنے مقدمات حضور ﷺ سے فیصلہ کرانے لازمی تھے۔ مدنی مسلمانوں پر مکی مسلمانوں کی خیرخواہی اور سرپرستی ضروری نہیں تھی۔ البتہ اگر مکی مسلمان مکہ میں بھی دین کے قیام کی کوشش کریں تو پھر مدنی مسلمان پر فرض تھا کہ وہ اقامت دین میں ان کی مدد کریں۔ اس آیت سے پرستش اور اطاعت کا فرق واضح ہوتا ہے۔ اگر صرف پرستش کی چند رسومات ادا کرنی ہوتیں، تو مکی مسلمان مکہ میں ہی رہ کر وہ رسومات انجام دے سکتے تھے۔ مگر انہیں حکم ہوا کہ وہ ہجرت کریں اور عملاً خدا کی محکومیت اختیار کریں۔ اور یہی طَاعَۃٌ مَّعۡرُوۡفَۃٌ ؕ تھی۔ یوں اس طَاعَۃٌ مَّعۡرُوۡفَۃٌ ؕ کے جو نتائج برآمد ہوئے وہ سب دنیا نے دیکھ لئے۔

(3) ارشاد عالی: وَ رَبِّکَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوۡکَ فِیۡمَا شَجَرَ بَیۡنَہُمۡ ثُمَّ لَا یَجِدُوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیۡتَ وَ یُسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا ۝ (4:64) اپنے زعم اور گمان باطل کی رُو سے یہ مومن قرار نہیں دئے جاسکتے جب تک کہ تجھے اپنے باہمی تنازعات اور جھگڑوں میں اپنا حَکَم (جج) مقرر نہ کرلیں۔ اور پھر تیرے فیصلے سے اپنے سینے میں کوئی گرانی محسوس نہ کریں۔ یہ ہے طَاعَۃٌ مَّعۡرُوۡفَۃٌ ؕ کہ ہر شخص کو معلوم ہو کہ حضورؐ کے فیصلوں کو دل وجان سے قبول کرنا ہے۔ اس میں پرستش کا شائبہ تک نہیں آتا۔ جو شخص حضورؐ کے فیصلہ کو تسلیم کرتا ہے وہ مسلمان ہے۔ لیکن جو شخص رسول اللہ ؐ کو اَوۡلٰی بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ مِنۡ اَنۡفُسِہِمۡ (33:6) مانتا ہے یہ وہ کیفیت ہے کہ اس سے مسلمان کے دل میں ایسا تغیر پیدا ہوتا ہے کہ وہ پھر لَا یَجِدُوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ حَرَجًا (4:65) پھر وہ اپنے پھر وہ اپنے دل میں اس فیصلے کے خلاف فیصلہ کے خلاف کوئی کبیدگی نہیں محسوس کرے گا۔ اور پھر یہ مسلمان مؤمن کے درجہ پر فائز ہوگا۔ اور یہی ایک بات مسلمان اور مؤمن میں فرق کرتی ہے۔ اور یہ ہے جو قرآن کی رُو سے طَاعَۃٌ مَّعۡرُوۡفَۃٌ ؕ ہے اس میں پرستش کی رسومات کا کوئی دخل نہیں۔

(4) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ (49:2)

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ اور رسولؐ کے سامنے اپنی رائے کو مقدم نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

اے ایمان والو، تم اپنی آواز کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرو اور نہ اس کو اس طرح پکارو جس طرح آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو اور تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو اس آیت کریمہ میں واضح کیا گیا ہے کہ کس طرح رسول اللہ ﷺ کا احترام ہمیشہ پیشِ نظر رکھنا چاہئے۔ ان کے فیصلوں کو ہمیشہ اپنے فیصلوں پر ترجیح دینا چاہئے۔ یہ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ؕ ہے۔ جو ہر شخص ایک دوسرے کے سامنے کر رہا ہے اور ہر شخص کو اطاعت ہوتی معلوم ہو رہی ہے۔

(5) ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ

(24:62)

ترجمہ: مومن تو وہ ہیں جو واقعی اللہ و رسولؐ پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کی ایک نشانی اور شناخت یہ ہے کہ: وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ (24:62) جب حضور ﷺ ان کو کسی امر جامع کے لئے بلائیں تو بغیر اجازت لئے نہ جائیں۔ یہاں امر جامع سے مراد وہ معاملہ ہے جس سے پوری امت کا تعلق ہو۔ یہ وہی معاملہ ہے جسے آپ افسران بالا کی یا کابینہ کی میٹنگ کہتے ہیں۔ یہ انفرادی معاملہ نہیں ہوتا۔ اب بھی جو مختلف محکموں میں جو میٹنگ ہوتی ہیں ظاہر ہے کہ جو لوگ وہ میٹنگ Attend کرتے ہیں اعلیٰ افسر کی اجازت کے بغیر میٹنگ سے نہیں جاتے۔ یہ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ؕ ہوتی ہے۔ اب جو رسول تم سب کو ایک معاملہ میں مشورہ کے لئے طلب کریں، تو اس مشاورت میں حصہ لو اور اس وقت تک اس مجلس سے نہ جاؤ جب تک رسول اللہؐ سے اجازت نہ لے لو۔ ان کی اجازت کے بعد بیشک جا سکتے ہو۔ یہ مجلس مشاورت سے جانے کے لئے اجازت لینا یہ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ؕ ہے۔ نوافل اور تہجد پڑھنا طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ؕ ہرگز نہیں ہے۔ وہ تو صرف انفرادی پرستش ہے۔ اسلامی قرآنی حکومت کے ہر حکم کی اطاعت طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ؕ ہوتی ہے۔ اگر ہمارے اس موجودہ دور میں اسلامی حکومت قائم ہو جائے تو بجلی، سوئی گیس، TV، کمپیوٹر وغیرہ کے ماہانہ بل ادا کرنا اس اسلامی مملکت کی طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ؕ ہوگی۔ اس مملکت کا جھنڈا، اس کی کرنسی، اس کا پاسپورٹ، دوسرے ممالک میں اس کی ایمبسی یہ سب شعائر اللہ ہوں گے۔ ایک ایک ہزار دانوں پر مشتمل ہزاروں کا پڑھنا یا آیہ کریمہ کا عمل کرانا طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ؕ نہیں ہو سکتا۔

(6) ارشاد عالی ہے۔ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ

مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۫ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝ (33:23)

اہل ایمان میں وہ جانباز بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے کئے ہوئے عہد کو پورا کر دکھایا۔ سو ان میں سے بعض تو اپنا عہد پورا کر چکے ہیں اور بعض منتظر ہیں اور انہوں نے اپنے ارادہ میں ذرا سی بھی تبدیلی نہیں کی۔ مذہب زدہ حضرات، خصوصاً ہماری پیشوائیت کو جو چیز مذہب چھوڑ کر دین اختیار کرنے میں مانع ہے وہ دین کی مشکلات وصعوبات ہیں۔ آپ غور فرمائیں جان دینا کس قدر حوصلہ کی بات ہے۔ لیکن جن مومنین نے اللہ سے وعدہ کیا انہوں نے اپنی جانیں نچھاور کر دیں۔ اور باقی جانیں دینے کے منتظر ہیں۔ اس کے مقابلہ میں پرستش کرنا، رسومات ادا کرنا کتنا آسان ہے۔

آج سے تقریباً 25 یا 30 سال پیشتر کی بات ہے کہ مصری حکومت نے اخوان المسلمون پر بہت سختی کی تھی۔ ہمیں ان کی سیاست سے کوئی سروکار نہیں، لیکن جس بات نے ہمیں متاثر کیا وہ share کرنے کے قابل ہے۔ انگلش اور اردو پریس میں اس بارے میں تصاویر چھپتی رہتی تھیں اور وہ تصاویر تقریباً ایک جیسی ہوتی تھیں۔ جن میں مظالم کی داستان ہوتی تھیں۔ مثلاً ایک نوجوان تقریباً 30 سال کا جیل میں پھانسی کا منتظر پڑا ہے۔ اس کی جوان بیوی ہفتہ میں ایک بار یا دو بار ملنے آتی ہے۔ وہ حجاب کئے ہوئے ہوتی ہے۔ دو یا تین سال کا ایک بچہ اسکی گود میں ہوتا ہے۔ اس بچہ کو معلوم نہیں ہے کہ اس کے باپ کو اس کے تصور کے مطابق، اقامت دین کی کوشش کرنے کی وجہ سے پھانسی ملنے والی ہے۔ نوجوان بے حد ہمت والا اور حوصلہ مند ہے۔ اور پریشانی کے کوئی آثار اس کے چہرے پر نمایاں نہیں۔ معافی مانگنے کی صورت میں وہ پھانسی سے بچ سکتا ہے۔ لیکن قرآن نے جو فرمایا: وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝ (33:23) انہوں نے اپنے ارادہ میں ذرا سی بھی تبدیلی نہیں کی۔ اس آیت کے مطابق وہ اپنے ارادہ میں جم کے کھڑا رہا۔ نہ ہی اس کی باوفا بیوی آبدیدہ تھی۔ ہم نے جب بھی اس قسم کے فوٹو دیکھے تو ضبط نہیں کر سکے اور ہمیشہ خون کے آنسو آنکھ سے جاری ہو جاتے تھے۔ یہ ہے طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ۭ ہزاروں نوافل اور تبلیغی دورے اس پر قربان۔ اور وہ اس کے مقابلہ میں پرکاہ کی حیثیت نہیں رکھتے۔

(7) طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ۭ کی اہمیت کے بارے میں آپ سورۃ مومن ملاحظہ فرمائیں۔ فرعون اور حضرت موسیٰؑ کی، حق و باطل کی داستان ملاحظہ فرمائیں۔ فرعون نے مظالم کی انتہا کر دی۔ فرعون اکیلا نہیں تھا اس کے ساتھ قارون کی سرمایا داری اور ہامان کی پیشوائیت بھی تھی۔ ان تینوں قوتوں سے ٹکر لینے کے لیے حضرت موسیٰؑ تھے۔ نوبت یہاں تک آ گئی کہ فرعون نے حضرت موسیٰؑ کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیا۔ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى (40:26) تم مجھے چھوڑ دو میں موسیٰ کو قتل کر دوں گا۔ غصہ و غم کا یہ پیکر تھا اور اس کی ساری کابینہ اس سے خوفزدہ تھی۔ یہ تھا وہ وقت اور وہ مقام جہاں اس کابینہ میں ایک شخص اٹھتا ہے اور ان کے سامنے ایک تقریر کرتا ہے۔ اس تقریر کو قرآن کریم نے اس کے اپنے الفاظ میں محفوظ کر لیا ہے۔ سورۃ مؤمن کی یہ تقریر دو رکوع پر مشتمل ہے۔ جو وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۚ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ (40:28) کے الفاظ سے شروع ہوتی ہے۔ اس تقریر کو پڑھ کر عجیب کیفیت طاری ہوتی ہے۔ اور ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔ اس مرد مؤمن نے یہ ساری تقریر اپنی جان کی بازی لگا کر کی ہے۔

اس تقریر کا ایک ایک لفظ آنکھ سے لگانے کے قابل ہے۔ اور اس کی اس تقریر کو وہی لوگ سراہیں گے جو دین کے داعی ہیں۔ مذہب گزیدہ لوگوں کو یہ اتنی متاثر نہیں کر سکتی کیونکہ اس میں دین کی دعوت دی گئی ہے اور یہ ہے بہترین مثال طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ط کی۔

(8) حضرت یوسفؑ کے واقعہ کو سامنے لایئے وہ عصمت و پاکبازی کا پیکر تھے۔ عزیز مصر کی بیوی ان پر شدید طرح عاشق تھی۔ قرآن کریم نے ساری تفصیل بیان فرمادی ہے۔ وہ عشق کی دیوانگی میں سب کچھ بھول گئی اور ایک روز موقع پا کر اس نے حضرت یوسفؑ پر ہاتھ ڈال ہی دیا۔ لیکن حضرت یوسفؑ نے اپنے آپ کو محفوظ ہی رکھا۔ اور فرمایا: قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ ۚ (12:33) حضرت یوسفؑ نے فرمایا اے میرے پروردگار جس چیز کی طرف یہ عورت مجھے بلاتی ہیں اس کے مقابلے میں مجھے جیل جانا زیادہ پسند ہے۔ ان عورتوں نے ایک مجلس اس غرض سے منعقد کی تھی کہ وہ عورتیں مل کر حد درجہ کوشش کریں کہ وہ حضرت یوسفؑ کو برائی کی طرف آمادہ کر لیں اور اس مقصد کے حصول کے لئے انہوں نے طرح طرح کے مکر و فریب سے کام لینا تھا لیکن اِدھر خدا کے اس مخلص بندے نے قوانین خداوندی کو پیش نظر رکھا۔ اور ہر طرح کی برائی سے دامن بچا کر صاف نکل گئے۔ اور یہی طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ط ہے۔

(9) ارشاد عالی ہے: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۚ (8:45) حضرت شیخ الہند نے اسکا ترجمہ کیا ہے: اے ایمان والوں جب بھڑو کسی فوج سے تو ثابت قدم رہو۔ اور اللہ کو بہت یاد کرو تا کہ تم مراد پاؤ۔

اس آیت کے ذیل میں حواشی عثمانی میں وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا کے بارے میں تحریر فرمایا ہے کہ اس ذکر میں نماز، دعا، تکبیر اور ہر طرح کا ذکر شامل ہے۔ اور مزید فرمایا کہ ذکر اللہ کی تاثیر یہ ہے کہ ذاکر کا دل مضبوط اور مطمئن ہو جاتا ہے۔ معارف القرآن میں حضرت مفتی اعظم پاکستان نے تحریر فرمایا۔ ''یہ وہ مخصوص اور معنوی ہتھیار ہے جس سے مؤمن کے سوا عام دنیا غافل ہے۔ پوری دنیا جنگ کے لئے بہترین اسلحہ اور نیا سے نیا سامان مہیاء کرنے اور فوج کے ثابت قدم رکھنے کی پوری تدبیریں کرتی ہے۔ لیکن مسلمان کے اس روحانی اور معنوی ہتھیار سے بے خبر ہے۔ حضرت اقدس کی مراد یہ ہے کہ جنگ کے دوران نماز، نوافل و اشغال سے مدد لی جائے۔ اور اس بات سے وہ پرستش کرنے کی تائید کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن قرآن کریم نے یہاں وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا اس معنے میں استعمال کیا ہے کہ جنگ کے بارے میں جو ہدایات قرآن نے جاری کر رکھی ہیں ان ہدایت کو جنگ کے دوران یاد رکھو اور اس پر عمل کرو، اس آیت میں طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ط یعنی جب تمہاری کسی فوج سے مڈبھڑ ہو تو ثابت قدم رہو۔ اب آپ ملاحظہ فرمائیں کہ قرآن نے اس بارے میں کیا ہدایت دی ہوئی ہیں، جن ہدایت کو یہاں عمل میں لانے کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ۝ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ (8:16)

ترجمہ: جب میدان جنگ میں کافروں کا سامنا ہو تو ان سے پشت نہ پھیرو اور جو شخص ان سے اس وقت پیٹھ پھیرے گا مگر یہ کہ اس کا مقصد میدان سے پلٹ کر حملہ کرنا ہو یا (مجاہدین کے) گروہ سے ملنا ہو تو ایسا شخص غضب پروردگار میں گرفتار ہوگا۔ اور اس کی قرارگاہ جہنم ہے اور یہ کیسی بری جگہ ہے۔

آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ اُوپر نقل کردہ آیت 8:45 میں جہاں وَاذْكُرُوا اللّٰهَ کے الفاظ آئے ہیں وہاں بھی یہی الفاظ اِذَا لَقِيْتُمْ آئے ہیں اور اس آیت میں بھی وہی الفاظ اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا آئے ہیں مقصد یہ ہے کہ جب بھی کفار سے مڈبھڑ ہو ہمارا وہ قانون ہر وقت نگاہ کے سامنے رکھو جو ہم نے (8:45) میں نازل کیا تھا کہ نہ تو پیٹھ پھیرو اور نہ ہی میدان سے پلٹو۔ یہاں فاذکرو، سے مراد اوراد و وظائف نہیں ہیں بلکہ اس قانون کو یاد رکھنا ہے۔ یہاں پرستش کا کوئی حوالہ نہیں ہے۔

یہاں تک ہم نے یہ عرض کرنے کی کوشش کی ہے کہ اطاعتِ خداوندی میں پرستش کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اور پرستش کرنا اطاعت خداوندی ہے ہی نہیں۔ جب آپ مسجد میں نماز اور نوافل ادا کرتے ہیں تو اللہ کی پرستش کرتے ہیں جب آپ مسجد سے باہر آ کر پہلے ہی ٹریفک سگنل پر رکتے ہیں تو اس وقت آپ حکمرانوں کی اطاعت کر رہے ہوتے ہیں۔ ٹریفک سگنل پر رکنا پرستش نہیں ہے۔ یہ اطاعت ہے۔ اس طرح آپ پرستش اللہ کی کرتے ہیں اور اطاعت حکمرانوں کی کرتے ہیں۔ قرآن کے نزدیک یہ ثنویت Dualism جائز نہیں ہے۔ کہ پرستش ایک کی اور اطاعت دوسرے کی۔ قرآن میں پرستش کی کوئی گنجائش نہیں، اس میں صاف اطاعت کے احکامات دئے گئے ہیں۔

متضاد چیزوں کی وضاحت کرنے سے اصل چیز زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔ اطاعت کی ضد عصیان ہے۔ یعنی نافرمانی کرنا۔ آپ ملاحظہ فرمائیں کہ قرآن کریم نافرمانی کے زمرہ میں پرستش نہ کرنے کو شامل نہیں کرتا۔ ہم اس کی چند مثالیں پیش خدمت عالی کرتے ہیں۔

(1) ارشاد عالی ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۭ (58:9)۔ اے ایمان والو جب تم سرگوشی کرو تو گناہ تعدی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشی نہ کرو بلکہ نیکی اور تقویٰ کی سرگوشی کرو۔

مسلمانوں کو حکم ہو رہا ہے کہ جب اجتماعی امور میں ایسے مواقع پیش آئیں جن میں باہم مشاورت ضروری ہو جائے تو بیشک آپس میں مشورہ کرو لیکن اس مشورہ میں کوئی سرکشی اور معصیت رسول ﷺ کا کوئی شائبہ تک نہیں ہونا چاہئے۔ ایسا مشورہ کرنا بالکل منع ہے۔

(2) ارشاد عالی ہے: يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (60:12)

اے پیغمبرؐ جب تمہارے پاس مومنہ عورتیں اس بات پر بیعت کے لئے آئیں کہ وہ کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ ٹھہرائیں اور نہ وہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کی مرتکب ہوں گی اور نہ ہی وہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان سے کوئی بہتان تراشی کریں گی اور نہ کسی امر معروف میں تمہاری نافرمانی کریں گی تو ان سے بیعت لے لو اور ان کے لئے اللہ سے مغفرت کی دعا کرو۔ بیشک اللہ غفور الرحیم ہے۔

اس آیت کریمہ میں اطاعت کرنے اور معصیت رسولؐ سے اجتناب کرنے کی تمام اہم چیزوں کی فہرست بیان کر دی گئی ہے۔ لیکن ان میں پرستش نہ کرنے کو شامل نہیں کیا ہے۔ جو چیزیں بھی طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ۭ کے زمرہ میں آسکتی ہیں وہ اس آیت میں شامل کر دی گئی ہیں۔

(3) ارشاد عالی ہے: وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠ (5:2) (اے ایمان والو) تم نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو گناہ اور تعدی میں تعاون نہ کرو۔ ایک دوسرے سے تعاون کرو لیکن ان امور میں تعاون نہ کرو جو انسانی ترقی کی راہ میں رکاوٹ کا موجب ہوں۔ یا خدا کی قائم کردہ حدود سے تجاوز کا باعث بنیں۔

اپنے موضوع کی تائید میں ہم بے شمار آیات پیش خدمت عالی کر سکتے ہیں۔ کیونکہ سارا قرآن اوامر اور نواہی سے بھرا پڑا ہے۔ اور کسی ایک جگہ بھی پرستش کا ذکر نہیں ہے۔ لیکن اس سے مضمون بہت طویل ہو جائے گا۔ ہمارے مدعا کی تائید میں یہ آیات کریمات ہی بہت کافی ہیں۔ لیکن سورۃ نور کی چند آیات ہمارے مدعا کو اس طرح Crystal clear کر دیتی ہیں کہ جس کے بعد کچھ بھی لکھنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں رہتی۔ ہمارے خیال میں زیادہ بہتر ہے کہ ہم ان آیات کی تفسیر ہی پیش کر دیں۔ یہ ان آیات کی تفسیر کے طور پر بھی کام آئے گی اور اس سے ہماری پوری پوری تائید بھی ہو جائے گی۔ ارشاد ہوتا ہے: وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَىِٕنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ۭ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ۭ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ۭ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝ (24:53-54)

ترجمہ: انہوں نے بڑی بڑی قسمیں کھا کر کہا کہ اگر تو انہیں حکم دے تو وہ (اپنے گھر اور مال کو) چھوڑ دیں گے۔ ان سے کہدے قسمیں نہ کھاؤ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ۭ کرو، کیونکہ تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔ کہہ دے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اگر تم نے نافرمانی کی تو رسول ﷺ اپنے اعمال کا مسئول ہے۔ اور تم اپنے اعمال کے

جوابدہ ہو۔لیکن اگر تم نے اطاعت کی تو ہدایت پا جاؤ گے۔اور پیغمبرؐ کے ذمہ تو صرف تبلیغ کرنا ہے۔

یہ منافقین بڑی سخت تاکیدی قسمیں کھا کر آپ کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ ہم کو آپ حکم دیں تو سب گھر بار چھوڑ کر خدا کی راستہ میں نکل جانے کے لئے تیار ہیں۔حضورؐ ارشاد فرمائیں تو سب مال و دولت اللہ کے راستہ میں لٹا کر الگ ہو جائیں۔ اس پر فرمایا کہ اس قدر لمبی چوڑی قسمیں کھانے کی ضرورت نہیں۔اس لئے کہ ایمان کے دعویٰ کی پہچان تو بڑی آسان بات ہے۔اور وہ پہچان طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ط ہے۔اطاعت باتیں بنانے سے نہیں ہوتی۔اطاعت تو ایسی چیز ہے جو نظر آتی ہے کہ اطاعت ہو رہی ہے۔

اطاعت اپنے کو تسلیم کرانے کے لئے کسی قسم کی محتاج نہیں۔اس سے اگلی آیت میں ارشاد ہے۔ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ج۔ان سے کہو کہ جب تم قسمیں کھا کھا کر اطاعت کرنے کا وعدہ کر رہے ہو تو اس زبانی وعدہ کے بجائے اب عملاً اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کر دیکھاؤ۔لیکن اگر تم اطاعت کرنے کے بجائے گریز کا راستہ اختیار کرتے ہو تو اس کے بعد اس کی ذمہ داری رسولؐ پر نہیں ہے۔رسولؐ کی ذمہ داری تو یہ ہے کہ وہ احکامات خداوندی کو تم تک پہنچا دے۔اس کے بعد اسکی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔اس لئے فرمایا: وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ط ،اگر تم اس کی اطاعت کرو گے تو راہ پا جاؤ گے۔

رسولؐ کے ذمہ تو پہنچا دینا تھا۔رہی یہ بات کہ واقعاً اطاعت ہو رہی ہے تو اس سے متعلق پہلے ہی کہ دیا تھا کہ اطاعت تو جانی پہچانی بات ہے۔تو یہ اس کے نتیجہ سے پہچانی جائے گی۔اطاعت کس طرح معروف بنتی ہے اس کے لئے فرمایا: وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ،اس آیت میں تمام انسانوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ تم انسانوں میں سے سے جو بھی ایمان لائے گا اور اعمال صالح کرے گا تو اللہ اس کو زمین میں اقتدار دے گا۔آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اطاعت کے نتائج سامنے آتے ہیں۔پرستش کے نتائج سامنے نہیں آتے۔آپ خود غور فرمالیں کہ زمین پر اقتدار حاصل ہونا کس درجہ معروف بات ہے۔قرآن نے یہاں یہ بھی واضح کر دیا کہ بادشاہوں اور دیگر اقوام کو اقتدار اور حکومت قوت کے زور پر ملتی ہے۔اور مولانا عثمانی اور مفتی اعظم کے اقتباس ہم نے تحریر کئے ہیں کہ ان کے نزدیک جنگ میں فتح اور اقتدار ذکر الٰہی اور اذکار و اوراد سے ملتی ہے۔لیکن قرآن کے نزدیک مومنین کو اقتدار اور استخلاف فی الارض ان کے ایمان اور اعمالِ صالحہ کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔اور اس کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کی اپنی حکومت نہیں ہے اور وہ اوروں کے زیر دست ہیں تو ان کا ایمان اور عمل درست نہیں ہے۔نہ ان کا ایمان، ایمان ہے اور نہ ہی عمل، عمل صالح ہے۔ایمان اور اعمال صالحہ کا لازمی نتیجہ اپنی حکومت ہوتا ہے۔اگر یہ حکومت نہیں تو سمجھ لو کہ ایمان اور اعمال صالحہ درست ادا نہیں کئے جا رہے ہیں۔یہ تو نتیجہ سے پہچان لینا ہے۔اسی لئے قرآن نے طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ط فرمایا تھا۔: كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ص۔ جس طرح ایمان اور عمل صالح کرنے والوں کو اس

سے پہلے حکومت دی تھی۔ یہاں قرآن اقوام سابقہ کو بطور ثبوت پیش کر رہا ہے۔ یہ وہ اقوام تھیں جن کو ایمان اور اعمال صالحہ کے نتیجے میں اقتدار حاصل ہوا تھا: وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ ، تاکہ وہ دین جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے پسند فرمایا تھا اس دین کو تمکن حاصل ہو۔ کیونکہ دین کو بغیر اپنی حکومت کے تمکن حاصل نہیں ہوسکتا۔ اس مملکت کی غایت اور اس کا مقصد دین کا تمکن ہے۔: وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۔ دین کے تمکن کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس معاشرہ و مملکت کا خوف امن میں تبدیل ہو جائے گا۔ اور حصول اقتدار، تمکن دین، اور قیامِ امن یہ سب صرف اس لئے ہوگا کہ: يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا (24:55) تاکہ صرف قوانین خداوندی کی اطاعت کی جائے اور کسی اور کا قانون اس میں شامل نہ ہو۔ سب لوگ صرف اللہ کی محکومیت اختیار کریں گے: وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (24:55) اور جو لوگ یہ سب حاصل ہو جانے کے بعد بھی رسول اللہؐ کی قائم کردہ حکومت سے انکار کریں گے وہ فاسق ہیں۔ اس آخری آیت کی وضاحت کے لئے کہ فاسق کون ہے۔ کسی وضاحت کی ضرورت نہیں۔ اس کی عملی تفسیر ہم خود فراہم کر رہے ہیں۔

یہ آیت کریمہ طَاعَةٌ مَّعْرُوفَةٌ کی عملی تفسیر ہے۔ طَاعَةٌ مَّعْرُوفَةٌ کا انتہائی مقصد ایمان اور اعمال صالحہ کے ذریعے ایسی مملکت قائم کرنا جو حد درجہ پُرامن ہو۔ اس میں صرف قوانین خداوندی کی اطاعت ہو۔ کسی اور کا قانون اس میں شامل نہ ہو۔ کہ یہ شرک ہے۔ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا (3:97) جو اس مملکت میں داخل ہو گیا وہ امن میں آ گیا۔ چونکہ محکومیت صرف قوانین خداوندی کی ہوگی اس لئے اس مملکت میں تمام افراد انسانی کی پوری پوری صلاحیتیں نشوونما پا جائیں گی۔ (24:56,2:129)

طلوعِ اسلام میں اشتہارات کے نئے ریٹس

جنوری 2016ء سے طلوعِ اسلام میں چھپنے والے اشتہارات کے نئے ریٹ درج ذیل ہیں۔

ٹائٹل صفحات

	ماہانہ وار	سالانہ
بیک ٹائٹل بیرونی (چار رنگہ آرٹ پیپر)	6,000/- روپے	60,000/- روپے
اندرونی ٹائٹل (ایک رنگہ آرٹ پیپر)	4,000/- روپے	40,000/- روپے
اندرونی ٹائٹل (چار رنگہ آرٹ پیپر)	5,000/- روپے	50,000/- روپے

اندرونی صفحات

	ماہانہ وار	سالانہ
مکمل صفحہ (یک رنگہ)	3000/- روپے	30,000/- روپے
نصف صفحہ (یک رنگہ)	1500/- روپے	15,000/- روپے

ڈاکٹر انعام الحق، اسلام آباد
dr.inam57@gmail.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

(قسط چہارم)

قرآنی تعلیمات کے مطابق مرد عورت سے افضل اور نہ ہی عورت مرد سے کمتر ہے

وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ کا مفہوم:

اگر عورتیں یا عورت باز نہیں آ رہی ہیں۔ حکومت خاوندوں سے کہے کہ وہ انہیں اپنی خوابگاہوں سے الگ کر دیں اور ان سے عارضی طور پر تعلق ختم کر لیں۔ یہ کچھ محبوس کر دینے والی بات ہے، جس کا ذکر پہلے بھی آ چکا ہے کہ اگر تمہیں خطرہ ہو کہ کوئی بے حیائی کی بات ہو جائے گی، تو انہیں ان کے گھروں میں روک لو۔

وَاضْرِبُوْهُنَّ کا مفہوم:

اگر عورت خوابگاہ الگ کرنے سے بھی اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو پھر عدالت یا حکومت عورت کو بدنی سزا دے گی، تاکہ یہ پھر سے فرائض کی ادائیگی اور گھر کے ماحول کو خوشگوار بنانے پر راضی ہو جائیں۔

آگے ہے فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا اب وہ قانون کی اطاعت کرنے پر رضامند ہو جائیں، تو ان پر خواہ مخواہ ہاتھ نہ اٹھاؤ۔ یہاں خاوند کا تو کہیں ذکر ہی نہیں آ رہا ہے۔ اس سے آگے ہے

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا (4:34)

یاد رکھو! خدا کے قوانین غالب ہیں، بالادست ہیں، کوئی سرکش یہ نہ سمجھ لے کہ انہیں کوئی قابو نہیں کر سکتا۔

ہماری بصیرت کے مطابق، اس آیت کے مفہوم کے اعتبار سے یہ شکل ہے۔ معانی کے لئے جس کا جی چاہے لغتِ لسانِ عربی کی کتاب اٹھا کر دیکھ لے۔ ہم نے لغت لسان عربی اور قرآن کے انداز تصریف آیات کو ترجیح دی ہے اور ساتھ ہی اس کا بھی خیال رکھا ہے کہ جو مفہوم لیا جائے، وہ قرآن کی مجموعی تعلیم اور دیگر آیات کے مطابق ہو۔ قرآن تو اپنے منجانب اللہ ہونے کا ثبوت ہی یہ دیتا ہے کہ اسکی تعلیم میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے کہ قرآن ایک مقام پہ تو احترامِ آدمیت کی ایک ذہنیت پیدا کرے اور دوسرے مقام پہ اس کے خلاف کچھ کہے۔ قرآن ایسا کبھی نہیں کرے گا۔

قرآن کریم نے کہا ہے کہ میاں بیوی کا رشتہ باہمی پسندیدگی کا ہے۔ اگر دونوں طرف سے کسی ایک میں بھی کسی قسم کی

کراہت آ گئی تو فریق مقابل دوسرے کے لیے حرام ہو جائے گا (4:19)۔ ازدواج کا باہمی رشتہ رفاقت کا ہے، مؤدت و سکینت اور رحمت کا ہے، اس لئے قرآن کہتا ہے کہ دونوں کے حقوق مساوی ہیں تو وہ شوہر کو مار پیٹ کا اختیار کیسے دے سکتا ہے؟ اس آیت میں میاں بیوی کا تو ذکر ہی نہیں ہے، ذکر تو الرجال اور النساء کا ہو رہا ہے۔ ایسی بدنی سزا صرف عورت تک محدود نہیں بلکہ معاشرہ کو کہیں مرد کو بھی بدنی سزا دینے کا قرآن میں ذکر ہے کہ

وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۭ (4:16)

اور اگر دو مرد اِس قسم کی بے حیائی کے مُرتکب ہوں تو انہیں مناسب بدنی سزا دو۔ لیکن اگر وہ اپنے کئے پر نادم ہو کر اِس سے باز آ جائیں اور اپنی اصلاح کر لیں، تو اُن سے درگذر کرو۔

یہاں مار پیٹ میں بھی قرآن مرد و زن کو ایک ہی یکساں مقام پر رکھتا ہے۔

لہٰذا اِس سے عورت کی کمتری کی دلیل لانے کا تو سوچا بھی نہیں جا سکتا۔

سولہویں دلیل:

طلاق دینے کے حق سے عورت کو محروم کر کے صِرف اسے مرد کو سپرد کرنا۔

مکتبِ مُلا کی طرف سے عورتوں کو کمتر ثابت کرنے کے لئے طلاق کے حق کو صِرف شوہر کی طرف مُنتقل کر دیا جاتا ہے اور ایسا کرنے کا جواز بھی قرآن کا حوالہ سے ڈھونڈا جاتا ہے۔ لہٰذا یہاں قرآن کی متعلقہ آیت کا تجزیہ لے کر اُن کی دلیل کو ردّ کیا جاتا ہے۔

مکتبِ مُلا کا طلاق کے حق کو صِرف شوہر کی طرف منتقل کرنے کی کاوش:

قرآن میں وضاحت کی گئی ہے کہ:

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۭ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۭ (2:237)

اور اگر ایسی صورت ہو کہ عورت کو ہاتھ لگانے سے قبل طلاق دینا پڑ جائے، اور مہر بھی مقرر ہو چکا ہو، تو ایسی صورت میں مقرر مہر کا آدھا حصہ ادا کرو۔ اگر عورت اپنا حق چھوڑ دے تو مہر ادا نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں یا اگر طلاق کا مطالبہ عورت کا ہے (2:239)، تو اس صورت میں جس کے ہاتھ میں نکاح کا بندھن ہے وہ اپنا حق چھوڑ دے۔ اور یہ کہ باہمی مراعات کا برتاؤ قوانین خداوندی کی منشا کے زیادہ قریب ہے۔

نکاح کا بندھن کس کے ہاتھ میں ہے؟:

بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۭ ''جس کے ہاتھ میں نکاح کا بندھن ہے''۔ اِس جگہ میں مذکر کے صیغہ سے مخاطب ہونے پر مکتبِ مُلا کا طلاق کے حق کو صِرف شوہر کے ہاتھ کی طرف منتقل کرنے کی کاوشیں کی جاتی ہیں۔ اوپر گزر چکا ہے کہ اور اگر کسی

وجہ سے مہر مقرر ہی نہیں ہوا اور زناشوئی سے پہلے طلاق کی نوبت آ گئی ہے، تو کہا حسب استطاعت کچھ نہ کچھ عورت کو دے کر رخصت کر دیا کرو (2:236)۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مہر تو مقرر ہو چکا، لیکن زناشوئی سے پہلے طلاق کی نوبت آ گئی تو کہا آدھا مہر ادا کر دو (2:237)۔ اگر طلاق کا مطالبہ عورت کی طرف سے ہے (2:229) تو اس صورت میں جس کے ہاتھ میں نکاح کا بندھن ہے وہ اپنا حق چھوڑ دے۔

دیکھتے ہیں کہ یہ کون ہے، جس کے ہاتھ میں نکاح کا بندھن ہے؟:

نکاح کا معاہدہ تو مرد و عورت کی باہمی رضامندی سے ہوگا۔ دونوں میں سے اگر ایک راضی نہیں ہے، تو نکاح کا معاہدہ نہیں ہوسکتا۔ شادی کرتے ہوئے وہ اکیلے ہوتے ہیں، لہٰذا باہمی رضامندی سے چند گواہوں کی موجودگی میں نکاح کا معاہدہ ہو جاتا ہے۔ لیکن طلاق کی صورت میں بیوی بچوں کے حقوق کے تحفظ کا سوال پیدا ہو جاتا ہے۔ نکاح سے پہلے تو یہ حالت تھی کہ اگر عورت ''ہاں'' نہیں کرتی تو معاہدہ ہی نہیں ہوسکتا تھا، جوں ہی عورت نے ''ہاں'' کی تو علمائے کرام نے سارے حقوق مرد کو دے دیئے۔ اب بے چاری عورت آزاد ہونے کے لیے عدالتوں کے چکر لگا رہی ہے، اور مرد کھڑے کھڑے تین طلاقیں دے کر آزاد ہو جاتا ہے، کیونکہ علمائے کرام کے نزدیک نکاح کا بندھن مرد کے ہاتھ میں ہونے کی وجہ سے طلاق دینے کا حق بھی اُسی کے ذمہ دے دیا گیا ہے۔ یہ مرد و عورت، دونوں کے ساتھ قرآن کی تعلیم اور معاہدہ کی شرائط کے منافی اور مساوی سلوک نہیں ہے۔ ہمارے رائج الوقت قانون نے البتہ عورت کے ساتھ یہ مہربانی ضرور کی ہے کہ طلاق کے حقوق کو شوہر کی طرف سے بیوی کو تفویض کرنے کی منظوری دینے کی شق نکاح خانہ کے فارم میں درج کر دی ہے۔

قرآن کی رو سے دونوں میاں بیوی ایک دوسرے کو آزانہ طور پر نہیں چھوڑ سکتے۔ جب بھی میاں بیوی میں کشیدگی پیدا ہو، تو معاشرے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس معاملے کو اپنے ہاتھ میں لے، کیونکہ یہ دونوں جذبات میں الجھ گئے ہیں، آپس میں یہ طے نہیں کر سکیں گے اور بات بڑھتی چلی جائے گی۔ لہٰذا ایک تیسری پارٹی کا آنا ضروری ہو گیا۔ قرآن کہتا ہے کہ ایسی صورت میں ایک حَکَم (ثالثی) عورت کے خاندان سے اور ایک حَکَم مرد کے خاندان سے ہو (4:35)۔ معلوم ہوا کہ یہ تیسری پارٹی مرد اور عورت کی طرف سے ایک ایک حَکَم مقرر کرے گی۔ اگر نظام قبائلی طرز کا ہے اور حکومت نام کی کوئی چیز نہیں ہے، تو یہ تیسری پارٹی قبیلے کا سردار یا قبیلے کی پنچائیت ہوسکتی ہے، جو حَکَم مقرر کرے۔ اگر معاشرہ ایک باقاعدہ حکومت کے تحت زندگی بسر کر رہا ہے، تو یہ تیسری پارٹی خود حکومت یا اس کی طرف سے نامزد کوئی اتھارٹی، یا عدالت ہوگی۔ بہرحال کشیدگی کو ختم کرنے کے لیے یا علیحدگی کا فیصلہ کرنے کے لیے ایک تیسری پارٹی کو درمیان میں آنا ہوگا۔ مصالحتی کوششوں کے بعد یا تو میاں بیوی دوبارہ خوش اسلوبی کے ساتھ رہنے لگیں گے یا مصالحتی کوششوں کی ناکامی کی صورت میں تیسری پارٹی (عدالت) ہی علیحدگی (طلاق) کا فیصلہ صادر فرما دے گی۔ یہ ہے وہ مجاز شخص، یا پنچائیت یا عدالت، جس کے ہاتھ میں بِیَدِہٖ عُقْدَۃُ النِّکَاحِ ط نکاح کا بندھن کہہ کر طلاق کے حق کی طرف قرآن میں اشارہ پایا جاتا ہے۔

معلوم ہوا کہ نکاح کی گرہ نہ شوہر کے ہاتھ میں ہے اور نہ بیوی کے ہاتھ میں ہے۔ لہٰذا اس سے شوہر کی طرف طلاق کے حق کو مختص نہیں کیا جا سکتا۔ سورۃ النسا میں اس کی تفصیل ہے۔ یہ تیسری پارٹی فیصلہ دیتے ہوئے سوچے گی کہ کون کشیدگی کا اصل ذمہ دار ہے۔ یہ تیسری پارٹی بے قصور کو معاوضہ دلائے گی۔ بچوں کے تحفظ کا سوچے گی۔ نکاح کرتے وقت تو باہمی رضامندی سے چند گواہوں کی موجودگی میں رجسٹر فارم پُر کر کے، دستخط کرنے سے معاہدہ ہو جاتا ہے۔ بس دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ معاہدہ فارم میں کوئی خلاف قرآن اندراج نہ ہو۔ اس میں تیسری پارٹی نہیں آئے گی۔ لیکن معاہدے کو منقطع کرنے کے لیے قرآن کی رو سے، تیسری پارٹی کو ملوّث کرنا نہایت ضروری ہے تاکہ میاں بیوی اور بچوں اور پیدا ہونیوالے بچے کے حقوق کا تحفظ کیا جا سکے۔ ظاہر ہے کہ طلاق اور اس سے متعلقہ معاملات کا فیصلہ تیسری پارٹی (عدالت) ہی کرے گی۔ لہٰذا اِسے شوہر کی طرف منتقل کر کے عورت کی کمتری ثابت نہیں کی جا سکتی۔

سترہویں دلیل:

قرآن کا عورت کو مرد کی کھیتی کی مثال سے بیان کرنا:

عورتوں کی حیثیت کمتر ثابت کرنے کے لئے یہ دلیل بھی پیش کی جاتی ہے کہ اسلام میں عورت کو مرد کیلئے ایک ایسی چیز قرار دیا گیا ہے، جس کا مقصد مرد کی جنسی خواہش کی تسکین اور اولاد پیدا کرنا ہے۔ قرآن کے مطابق عورتیں کھیتیاں ہیں اور مرد کسان ہیں۔ اور انہیں ان کھیتیوں کو اپنی مرضی سے ''کاشتکاری'' کیلئے استعمال کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۠ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۡ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ؕ (2:223)

تمہاری عورتیں کھیتیاں ہیں تمہاری، سو جاؤ اپنی کھیتی میں، جس طرح چاہو (استعمال کرو) اور آگے کی تدبیر کرو تم اپنے واسطے،

یہ ایک روایتی ترجمہ ہے جو سوچے سمجھے بغیر مُتقدمین کی تفسیر کی پیروی میں کیا جاتا ہے:

اس کے برعکس علمی، تحقیقی اور منطقی روش اختیار کرنے اور اس ضمن میں قرآن کی مجموعی تعلیم کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے، اِس کا مفہوم یوں پیش کرتے ہیں۔

تمہاری عورتیں تو تمہارے لئے مانند کھیتی کے ہیں، (اکیلے ان میں اولاد کی صلاحیت نہیں ہے) تو اپنی کھیتی میں جب دل چاہے آؤ اور اپنی نسل کو آگے بڑھاؤ۔

قرآن نے عورت کے بارے میں کہا ''نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۠'' ''عورتیں تمہاری کھیتی ہیں''۔ کھیت میں اپنے طور پر تو کھیتی اگانے کی صلاحیت نہیں ہوتی، البتہ اس کے اندر بیج کو قبول کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ کسان جس جنس کا بیج ڈالے گا، وہی فصل کھیت سے اُگے گی۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ عورت میں لڑکا یا لڑکی پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ عورت تو کھیت کی مانند ہے۔ لڑکے اور لڑکی کے پیدا کرنے کے جراثیم یا بیج مرد میں ہوتے ہیں۔ جس مرد میں لڑکی اور لڑکے کے جراثیم نہ ہوں، اس کی بیوی کے ہاں اولاد ہی نہیں ہوتی۔ لہٰذا عورت کی وہی جگہ کھیتی ہے جو مرد کے نطفے کو پرورش کے لیے قبول کرے۔ کھیتی

بھی کسان کے بیج کو پرورش کے لیے قبول کرتی ہے۔ حیوانات کی طرح انسان پر کنٹرول نہیں رکھا گیا، اس لیے کہا فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ ''تو تم اپنی کھیتیوں میں جب دل چاہے آؤ۔''

یہ انسان کا اختیار و ارادہ ہے کہ کھیت میں تو جب جی چاہے جائے، لیکن بیج نہ ڈالے اور جب چاہے بیج ڈالے، لیکن یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب بیوی بھی اسی وقت مرد کی طرف رجوع کرنے کے لیے تیار ہو۔ نکاح تو ویسے بھی ایک معاہدہ ہے جو میاں اور بیوی کے درمیان باہمی رضامندی سے طے پاتا ہے۔ اِس میں کوئی ایک یک طرفہ طور جنسی تسکین پہنچانے کے فعل کا پابند نہیں بلکہ دو طرفہ برابر کی ذمہ داری سے نبھانے کے لئے اِس صلاحیت سے نوازا گیا ہے۔ لہٰذا اِس بنا پر عورت کی حیثیت میں کمی کا کوئی امکان نہیں رہ جاتا۔

اٹھارویں دلیل:

متعہ کی رسم متعارف کر کے عورت کی پوزیشن کو کمتر ثابت کرنا۔

اِسی جنسی تسکین کی فراہمی کے جواز کے لئے ایک اعتراض اسلام سے منسوب نظریہ متعہ کو لا کر پیش کیا جاتا ہے۔ اِس ضمن میں روایات کے علاوہ اس کی دلیل میں درجِ ذیل قرآن کی آیت کا توڑ مروڑ ترجمہ کر کے حوالہ دیا جاتا ہے۔ لہٰذا مُعترضین کے دعوٰی کا قرآن کی اسی متعلقہ آیت کے تجزیہ سے ہی اُن کا دعوٰی باطل ہو جاتا ہے۔

وَأُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ أَن تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُم مُّحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ ۚ فَمَا اسْتَمْتَعْتُم بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَاضَيْتُم بِهِ مِن بَعْدِ الْفَرِيضَةِ ۚ (4:24)

ان کے ماسوا جو عورتیں بھی ہیں، وہ بدکاری کی بجائے، نکاح کے لئے تمہارے لئے حلال ہیں، لیکن صرف اسی صورت میں کہ تم مہر مقرر کر کے باقاعدہ نکاح کے بعد استمتع کے طالب ہو اور اس طرح زوجین ان پابندیوں میں گھر جائیں جو میاں بیوی کی حیثیّت سے رہنے میں ایک دوسرے پر عائد ہوتی ہیں۔ لہٰذا، جن حلال عورتوں سے تم نے بذریعہ نکاح زناشوئی کی ہو، ان کے مہران کو فریضہ کی حیثیّت سے ادا کر دو۔ مہر ٹھہرانے کے بعد (مہر میں کمی بیشی کا) جو تم نے آپس میں کسی قسم کا راضی نامہ کیا ہو، تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

اَلْمُحْصَنٰتُ اور اِسْتَمْتَعْتُمْ کا مفہوم:

اِس آیت میں دیئے گئے دو الفاظ اہمیت رکھتے ہیں، جن کی وضاحت ضروری ہے۔ محصنٰت کا مادہ ''ح ص ن'' ہے اور اس کے معنی ہیں ''جو قیود و شرائط عائد کی گئی ہوں ان کی پابندی کرنا''، نیز حصن قلعہ کو بھی کہتے ہیں۔ یہ لفظ قرآن میں بھی اور خود عربوں کے ہاں بھی دو معنی میں استعمال ہوتا ہے تھا۔

1۔ باعصمت عورت کے لئے، جس نے خود اپنے آپ کو قلعہ میں رکھا ہوا ہو یعنی حفاظت میں رکھا ہوا ہو۔

2۔ شادی شدہ عورت کے لئے، جو نکاح کی حفاظت میں آ کر قلعہ بند ہو چکی ہو۔

متعہ، اسْتَمْتَعْتُمْ سے لفظ استمتع ہے، اس کا مادہ ''م ت ع'' ہے اور اسی سے لفظ متعہ لیا جاتا ہے اور متعہ کے تصور کا جواز بھی نکالا جاتا ہے۔

متعہ شیعہ مذہب میں جائز سمجھا جاتا ہے، لیکن سنّی مذہب میں اس کو حرام سمجھا جاتا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ شیعہ حضرات، متعہ کا جواز سنی حضرات کی حدیثوں سے پیش کرتے ہیں۔ احادیث میں اسے ایک اصطلاح کے طور پر متعارف کرایا ہے۔ متعہ کے معنی ہیں ''کسی عورت کے ساتھ جنسی اختلاط، مدت کے تعیّن کے ساتھ کرنا''۔ یہ ایک مرتبہ کے لئے، ایک دن کے لئے، ہفتہ بھر کے لئے، مہینوں کے لئے بھی ہوسکتا ہے۔ بس عورت کے ساتھ رقم اور مدت طے کرنی ہوتی ہے۔ مدت گزرنے کے بعد طلاق کی ضرورت نہیں رہتی، معاہدہ خود بخود ختم ہوجاتا ہے۔ متعہ کرنے والا شخص مرجائے تو عورت مرد کی وراثت میں سے حصہ نہیں پاتی، اور اگر دورانِ معاہدہ اولاد ہوجائے تو اس کی پرورش کی ذمہ داری بھی اس مرد پر نہیں ہوتی۔ قرآن نے اِسی آیت میں غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ط کہہ کر متعہ کے جواز کو روک دیا، کیونکہ متعہ میں محض جذبات کی تسکین کی خاطر مادہء تولید کو بہایا جاتا ہے۔ سفح کہتے ہیں ''پانی، خون یا کسی بہنے والی چیز کو بہادینا''۔

نکاح کے بندھن میں بندھ کر جن حدود و قیود کی پابندی ضروری ہے، وہ متعہ میں نہیں ہوتیں مثلاً نہ تو بیوی متعہ کرنے والے کی جائیداد میں سے حصہ پاتی ہے اور اگر بچہ یا بچے پیدا ہوجائیں، تو ان کی پروش کی ذمہ داری مرد پر عائد نہیں ہوتی۔ قرآن نے مُّحْصِنِيْنَ یعنی پابندیوں میں گھر جانے والے معاہدہ نکاح کو جائز قرار دیا ہے، جبکہ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ط یعنی ذمہ داریوں اور پابندیوں کے بغیر جنسی اختلاط کو ناجائز قرار دیا ہے۔ اگر اس آیت پر غور کرلیا جاتا تو متعہ کے جواز میں نہ کوئی وکالت کرتا اور نہ ہی عورتوں کی حیثیت کو کمتر خیال کرتا۔

اُنیسویں دلیل:

اللہ کا عورتوں میں کسی کو نبی کا درجہ نہ دینا۔

عورت کے کمتر ہونے کے بارے میں یہ دلیل بھی دی جاتی ہے کہ اس کا تاثر تو خود اللہ نے قرآن میں بیان کیا ہے کہ اُس نے نبوت کے لئے کسی عورت کا انتخاب نہیں کیا۔ لہٰذا اس دلیل کا یہاں قرآن کی متعلقہ آیت پیش کر کے تجزیہ پیش کیا جاتا ہے کہ:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ (12:109)

ہم نے، تجھ سے پہلے، جتنے رسولوں کو بھیجا، وہ مرد تھے (فوق البشر نہیں ہوتے تھے)، اور ان کی طرف ہم وحی کیا کرتے تھے۔

قرآن نے انبیاء کو کہیں بشر کہا ہے تو کہیں رجل بھی کہا ہے۔ رجل بھی مرد کو ہی کہتے ہیں۔ عورتوں کو ان کے فطری، طبیعی اور فزیکل وظائف زندگی کی وجہ سے انبیاء نہیں بنایا گیا۔ لیکن جو وظائف زندگی انبیاء کے متعین ہیں اُن میں اور بقایا بھی جو

مرد اور عورت میں مشترکہ Common ہیں ان میں امتیاز نہیں رکھا گیا اور دونوں شامل ہو سکتے ہیں اور ہیں بھی۔

اِس تناظر میں دیکھا جائے تو الگ الگ طبیعی وظائفِ زندگی متعین کرنے سے زن و مرد میں کمتری اور برتری مقصود نہیں ہوتی، بلکہ سہولت مہیا کی جاتی ہے۔ قرآن اس کی وضاحت میں کہتا ہے کہ

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ (4:34)

مرد اپنی بعض خصوصیات کی وجہ سے، عورتوں کو سامان رزق مہیّا کرنے کے ذمّہ دار ہیں۔ خدا نے مرد اور عورت کو بعض امور میں ایک دوسرے پر فضیلت عطا فرمائی ہے، (مردوں کی فضیلت یہ ہے کہ عورت جسمانی بناوٹ اور مختلف جسمانی فریضوں کے اعتبار سے مسلسل کام نہیں کر سکتی، اس لئے مردوں کی ذمّہ داری ہے کہ وہ اکتساب رزق کریں)، اور یوں مردوں کے اکتساب رزق سے عورتوں کی ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ پس اس طرح ان (عورتوں) کی صلاحیّتیں نشوونما پاتی ہیں، اور وہ اپنی صلاحیّتوں کو اسی مقصد کے حصول میں صرف کریں گی، جس کے لئے وہ مخصوص صلاحیّتیں دی گئی ہیں۔ (اس طرح جب عورتوں کو سامان رزق کے اکتساب سے فرصت مل گئی) تو وہ اس چیز کی حفاظت کر سکیں گی (جنین کی) جو پوشیدہ طور پر ان کے سپرد کی گئی ہے۔

قرآن نے یہاں دونوں کے مشترکہ وظائفِ زندگی بیان کر کے مزید وضاحت کر دی کہ:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (9:71)

مومن مرد اور مومن عورتیں (ایمان کی شرکت کی وجہ سے) ایکدوسرے کے دوست اور رفیق ہیں۔ یہ ان باتوں کا حکم دیتے ہیں، جن کو نظام خداوندی صحیح تسلیم کرتا ہے، اور ان امور سے روکتے ہیں، جنہیں یہ نظام ناپسند قرار دیتا ہے۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ صرف نظام خداوندی کے اندر رہتے ہوئے ہی ہو سکتا ہے۔

پیچھے منافقین کے بارے میں گزر چکا ہے کہ:

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ (9:67)

منافق مرد اور منافق عورتوں کی حالت یہ ہے کہ جن باتوں سے قانون خداوندی منع کرتا ہے، یہ لوگوں کو ان کے کرنے کی تلقین کرتے ہیں اور لوگوں کو قوانین خداوندی کے مطابق چلنے سے روکتے ہیں، اور اپنے ہاتھوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے روکے رکھتے ہیں۔

یعنی یہ سب ممنوع Invalid کام کرتے ہیں۔ منافقین کے برعکس مومنین کے بارے میں اس آیت میں کہا

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (9:71) مومن مرد اور مومن عورتیں، ایک دوسرے کے دوست اور رفیق ہیں۔ یہ ان باتوں کا حکم دیتے ہیں، جن کو نظام خداوندی صحیح تسلیم کرتا ہے اور ان امور سے روکتے ہیں، جنہیں یہ نظام ناپسند قرار دیتا ہے۔ انبیاء اور مومنین کا بنیادی فریضہ امر بالمعروف اور نہی الْمُنْكَرِ

متعین کیا گیا ہے جو دونوں مرد وزن مِلکر یکساں طور پر نبھاتے ہیں۔ عورتوں کی متعدد طویل گھریلو مصروفیات کے باوجود اِس بنیادی فریضہ کی ادائیگی، اگر اُس کی برتری کے ثبوت میں نہیں لائی جاتی، تو اِس کی کمتری کے دلیل کا بھی جواز نہیں بنتا۔

بیسویں دلیل:

عورتوں کو گھر تک محدود کر کے حقِ حکمرانی سے محروم کرنا۔

بعض افراد عورت کی پوزیشن کو کمتر ثابت کرنے کے لئے یہ دلیل بھی پیش کرتے ہیں کہ عورت کو گھر تک محدود کر دیا گیا ہے اور اُس کے لئے حقِ حکمرانی کی ممانعت کر دی گئی ہے۔

مرد وزن کے وظائفِ زندگی مشترکہ رکھنے اور اس طرح اُن میں کمتری اور برتری کے احساس کو دور کرنے کی وضاحت میں عورت کی حکمرانی کی مثال بھی قرآن سے یوں مِل جاتی ہے کہ

اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَۃً تَمْلِکُھُمْ وَاُوْتِیَتْ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ وَّلَھَا عَرْشٌ عَظِیْمٌ ۝ (23:27)

میں نے دیکھا کہ اس ملک پر، ایک عورت حکمران ہے، اور اس کو سب کچھ میّسر ہے، اور اندرونی نظم ونسق اور کنٹرول بھی بڑا عظیم الشان ہے۔

عرشِ عظیم کا مفہوم:

ویسے تو عرش کے لغوی معنی لکڑی کے بنے ہوئے تخت کے ہی ہیں، لیکن یہاں اس کے مجازی معنی ''مملکت کے نظم ونسق کا کنٹرول'' ہے۔ آج کل تو کرسیاں استعمال ہوتی ہیں، پہلے سچ مچ کا ایک محسوس تخت ہوا کرتا تھا جس پر بادشاہ بیٹھ کر حکمرانی کرتا تھا۔ آج بھی ایک شخص کی جگہ جب دوسرا برسرِ اقتدار آتا ہے، تو برسرِ اقتدار آنے کو تخت نشینی ہی کہتے ہیں۔ جب کسی کا اقتدار ہاتھ سے جاتا رہے یا نظام بدلتا ہے، تو اسے ''تختہ الٹنا'' ہی کہا جاتا ہے۔ بادشاہ اگر تخت پر بیٹھا ہے، تو عرش کے معنی وہی لکڑی کا بنا ہوا تخت ہی ہوگا، ورنہ تخت (عرش) حکمرانی کے نظم ونسق کے کنٹرول کی علامت ہوتی ہے۔ جب یہ لفظ خدا کے لئے آتا ہے کہ وہ عرشِ عظیم پہ متمکّن ہے، تو یہ بات نہیں کہ وہ ایک بڑے سے تخت پر بیٹھا ہوا ہے بلکہ اس کے معنی ہوتے ہیں کہ تخلیق کردہ اشیاء کے نظم ونسق کا کنٹرول اس نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا ہے۔

کسی قوم کی فلاح کا انحصار اس بات پر نہیں ہے کہ اس کی قیادت مرد کے ہاتھ میں ہے یا اس منصب پر عورت فائز کر دی گئی ہے۔ بنیادی اوصاف قبولِ حق کا مادہ، خدا ترسی اور حکمت ودانائی ہیں۔ یہ چیزیں کسی عورت میں جمع ہو جائیں تو ملکہ سبا بن جاتی ہے جس کی حکمت ودانائی آنے والی نسلوں کے لئے مثال بنا دی جاتی ہے اور ان ہی خصوصیات سے اگر کوئی مرد حکمراں خالی ہو جائے تو وہ ابرہہ کی شکل میں اپنی ہٹ دھرمی اور جھوٹے غرور کی ایک ایسی عبرت ناک تاریخ چھوڑ جاتا ہے جس سے آنے والی نسلیں سبق لے سکیں۔ وہ خود بھی ہلاک ہوتا ہے بلکہ پوری قوم کی ہلاکت کا سبب بن جاتا ہے۔

لہٰذا اِس مثال سے واضح طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ قرآن نے عورت کی ضرورت پڑنے پر حکمرانی کی ممانعت نہیں کی،

جس سے مُعترضین کی عورت کو کمتر ثابت کرنے کی دلیل کا جواز پیش کیا جا سکے۔

اکیسویں دلیل:

قرآن کا عورت کی کمتر حیثیت کا اعلان:

احباب کی طرف سے یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ عورت کے کمتر ہونے کا اظہار تو خود اللہ اور عرب کے رہائشی برملا قرآن کی سورہ النحل کی آیات 57,59 میں واضح طور پر کر رہے ہیں۔ وہ بھول جاتے ہیں کہ یہاں عورت کو کمتر خیال کرنے والوں کے فیصلے کو قرآن قابلِ افسوس قرار دے رہا ہے۔ لہذا یہاں اِن آیات کا تجزیہ پیش کیا جاتا ہے۔

1۔ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ۝ (16:57)

ان کا خود ساختہ باطل عقیدہ تو یہ بھی ہے کہ خدا کی بیٹیاں ہیں۔ (یاد رکھو) خدا اولاد سے اور اولاد کی ضرورت سے پاک ہے۔ (خدا کے لئے اولاد کا عقیدہ ہی باطل ہے، پھر بھی ان کی طرف سے خدا کی ناقدری تو دیکھیئے کہ یہ لوگ اولاد میں سے بھی اس کے لئے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں) اور اپنے لئے کچھ اور (یعنی بیٹے چاہتے ہیں)۔

2۔ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۝ (16:58)

(ان کے ہاں بیٹی کی ناقدری تو دیکھیئے کہ) جب ان میں سے کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی خبر ملتی ہے تو اس کے چہرے کی رنگت سیاہ ہو جاتی ہے، اور وہ غم میں ڈوب جاتا ہے۔

3۔ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝ (16:59)

وہ (بیٹی کی) خبر کو معیوب سمجھتے ہوئے، لوگوں سے منہ چھپائے پھرتا ہے، (سوچتا ہے کہ) کیا بیٹی کو زندہ رکھ چھوڑے؟ (اور ہمیشہ کی ذلّت برداشت کرلے)، یا اس کو زندہ مٹی میں دفن کر کے، (اس ذلّت سے نجات حاصل کرلے)۔ اُف! کس قدر برا ہے یہ امتیازی فیصلہ، جو یہ لوگ اپنی معصوم بچّیوں کے بارے میں کرتے ہیں۔

اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّاَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِيْنَ ۝ (43:1)

اور کیا اس نے اپنی مخلوقات میں سے اپنے لئے بیٹیاں پسند کیں اور تم کو بیٹوں سے نوازا ہے؟

یہ لوگ عقیدہ رکھتے تھے کہ دیویاں اور فرشتے اولاد کے طور پر خدا کی بیٹیاں ہیں۔ اوّل تو خدا کے لئے اولاد کا عقیدہ ہی باطل تھا پھر اولاد بھی خدا کے لئے وہ، جسے یہ خود اپنے لئے پسند نہیں کرتے۔ انہوں نے یہ عقیدہ بنایا ہوا تھا کہ خدا نے اپنے لئے بیٹیاں منتخب کیں اور ان کے لئے بیٹے (16:58)۔ خدا کے متعلق اولاد کا عقیدہ ہی سرے سے باطل ہے۔

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۝ (43:17)

جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی بشارت دی جاتی ہے، جسے یہ خدا کے لئے پسند کرتے ہیں، تو ان کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ غم میں ڈوب جاتا ہے۔ (یہ ہے بیٹیوں کے متعلق ان کا تصور)۔

اَوَ مَنۡ یُّنَشَّؤُا فِی الۡحِلۡیَۃِ وَ ہُوَ فِی الۡخِصَامِ غَیۡرُ مُبِیۡنٍ ﴿43:18﴾

کہ یہ کیا پیدا ہوئی، جو زیورات میں پلتی ہے، اور خود اپنے متنازع معاملہ کو صاف اور واضح طور پر بیان نہیں کر سکتی؟

بیٹی کی پیدائش: وہ لوگ تو کافر تھے، مشرک تھے، جاہل تھے، وہ جاہلیّت کا زمانہ تھا۔ ہم اللہ کے فضل سے مسلمان ہیں، مومن ہیں۔ زمانہ بھی علم و تہذیب کا، روشنی کا آ گیا ہے، پر کیفیّت آج بھی وہی ہے کہ بیٹی کی پیدائش پر غم کے مارے منہ کالا پڑ جاتا ہے۔ قرآن کہتا ہے وہ اس خبر کو سننے کے بعد اپنا منہ چھپاتا پھرتا ہے۔ بیٹی کی پیدائش کو اپنے لئے علی ھُون یعنی ذلّت سمجھتا ہے کہ کوئی داماد بنے گا، تو کوئی سمدھی بنے گا، اور معاشرہ میں یہ بات عام ہے کہ ''بھئی لڑکی والوں کا پلڑا ہلکا ہوتا ہے''۔ لڑکے والے محض لڑکے والے ہونے کی جہت سے ''بھاری'' ہوتے ہیں، مرتبہ اور وقار میں بلند ہوتے ہیں، پھنّے خاں ہوتے ہیں، کیونکہ لڑکی والوں کی ایک انسانی زندگی پر ان کا قبضہ ہوتا ہے۔

لڑکے والوں میں دراصل یہ نفسیاتی بیماری ہوتی ہے، اس کو Sadism کہتے ہیں کہ ''دوسرے کو تنگ کر کے، تکلیف پہنچا کے خوش ہونا۔ نئی سائیکالوجیکل ریسرچ یہ ہے کہ ''کسی کو مارنے میں وہ خوشی نہیں ہوتی، جو کسی کو قابو میں رکھ کے، تڑپا کے خوشی ہوتی ہے۔ ''خدا نے تو ہر انسانی بچہ، بچی کو یکساں واجب التکریم قرار دیا ہے'' (17:70)، قَوّٰمُوۡنَ (4:34) کی غلط تشریح کر کے مرد کو عورت کا ''دروغہ'' بنا دیا ہے، تو پھر داماد، سسرال والوں کے سامنے اور بیوی کے سامنے پھنّے خاں ہی تو بنے گا۔ مرد کے ''قبضے'' کی بنا پر عورت آج بھی غیر محفوظ Insecure ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر طلاق، طلاق، طلاق کے الفاظ زبان پر آ جاتے ہیں۔ گھر عورت، مرد اور بچوں کے لئے ''جنّت'' ہوتا ہے یہ فقرہ روز سنتے ہیں، لیکن جنّت کی کیفیّت خدا نے یہ بتائی کہ ''نہ اس میں کسی قسم کا خوف ہوگا اور نہ کسی قسم کی افسردگی ہوگی'' (2:112)۔ تو پھر یہاں گھر جنّت کہاں ہوا؟ دین اسلام میں تو گھر واقعی ''جنّت'' ہوتا ہے، لیکن مذہب میں بیوی بچوں کے لئے، مرد کے دروغہ ہونے کے تصوّر کی وجہ سے گھر ''جہنّم'' بن جاتا ہے، اور آج بھی ایسا ہی ہے۔ لہٰذا رویہ بدلنے کی ضرورت ہے نہ کہ قرآن کے منافی عورت کو کمتر روپ میں پیش کرنے کی رَٹ لگائے جائیں۔

بائیسویں دلیل:

عورتوں کے درجہ کو مساوی بیان کرنا مغرب کی ایک سازش۔

خصوصی طور پر مکتبِ مُلا کی طرف سے یہ دلیل بھی پیش کی جاتی ہے کہ مغرب اسلام کے خلاف ہے اور وہ عورت اور مرد کی حیثیت کا یکساں ہونے کا تصور پیش کرتا ہے۔ لہٰذا مکتبِ مُلا اسے سازش قرار دیتے ہوئے عورت کے کمتر ہونے کو ایک فطری عمل کے طور پر پیش کرنے پر بِضد ہے۔

مُجھ سے بھی یہ پوچھا جا رہا ہے کہ کیا مَیں بھی عورتوں کے مساوی حقوق کی تبلیغ کرنے کے اُسی مغربی ایجنڈہ پر تو کام نہیں کر رہا ہوں جو آج کل مغرب کے رُعب تلے آ کر مکتبِ مُلا کے پھیلائے ہوئے عقائد کو جُھٹلانے کے مشن پر کام کر رہا ہے۔؟

اُن کی بات پر میرے دِل میں یہی خواہش پیدا ہوتی ہے کہ کاش وہ قرآن کی سورہ تکویر کی اِن آیات کو دیکھ کر غور و تدبر کر لیتے تو اُن کو معلوم ہو جاتا کہ یہ تو میری نہیں بلکہ قرآن کی آواز ہے۔

اَلْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝ (81:8-9)

اور جب اُن لڑکیوں کے متعلق، جنہیں معاشرہ زندہ درگور کر دیتا ہے، پوچھا جائے گا کہ تمہیں کس جرم کی پاداش میں ذلیل و خوار اور رسوا کیا جاتا تھا؟ (یعنی جب عورتوں کو ان کے حقوق دلائے جائیں گے)۔

اَلْمَوْءٗدَةُ: جن لڑکیوں کو عرب زندہ دفن کر دیتے تھے ان بچیوں کو وہ اَلْمَوْءٗدَةُ کہتے تھے۔

تاریخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پورے عرب میں بچیوں کو زندہ دفن کرنے کا رواج نہ تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو عربوں کی تو نسل ہی ختم ہو جاتی۔ البتہ بعض قبائل میں اکّا دکّا ایسا بھی ہوتا تھا۔ لیکن آج ایسا نہیں ہوتا۔ اگر اَلْمَوْءٗدَةُ کا مفہوم ''دفن کی جانے والی بچیاں'' لیا جائے تو اس طرح آیت ایک خاص دور کے لئے مخصوص و محدود ہو جائے گی، جو گزر چکا ہے، اور اب ان آیات کا ہمارے سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ اور قرآن کی اس قسم کی آیات کو تو قیامت تک پڑھا جائے گا۔ پھر اَلْمَوْءٗدَةُ کا مفہوم وسیع کیوں نہ لیا جائے؟ جن بچّیوں کو زندہ درگور کیا جاتا تھا، اُس کی بنیادی وجہ بچیوں سے نفرت تھی۔ لہٰذا نفرت کے تحت چاہے زندہ درگور کیا جائے یا بچیوں کو ویسے ہی بیٹوں کے مقابلے میں حقیر سمجھا جائے، یا ان کی پرورش پر بیٹوں کے مقابلے میں کم توجہ دی جائے تو ایسی بچی اَلْمَوْءٗدَةُ ہی ہوں گی۔ یہ مفہوم لینے سے اَلْمَوْءٗدَةُ ہر وہ بچی، آج اور آئندہ دور میں ہوگی، جس کے ساتھ امتیازی برتاؤ کیا جائے۔ اس طرح آیت کا تعلق آج سے بھی ہوگا اور آئندہ سے بھی ہوگا۔

قرآن کسی تاریخی واقعہ کو بیان کرتا ہے تو اس سے مقصد ابدی اصول دینا ہوتا ہے۔ قرآن کا مقصد امتیازی برتاؤ کو ختم کرنا ہے، جو اس زمانے میں بھی تھا، اور آج بھی ہے اور آئندہ بھی ہوگا۔ مثلاً ''اس منحوس خبر (بچّی کی پیدائش) کے سننے کے بعد وہ اپنے لوگوں سے منہ چھپائے پھرتا ہے'' (16:59)۔ اس کے بعد وہ سوچتا ہے کہ ''کیا میں اپنی قوم میں یہ کلنک کا ٹیکہ لیے ہوئے ساری عمر پھرتا رہوں یا اس کو ابھی سے مٹی میں دفن کر دوں''؟ (16:59)۔ قرآن کہتا ہے کہ ''یہ جو خیالات اس کے دل میں ہیں کس قدر برے ہیں'' (16:59)۔ قرآن نے ایک ہی آیت میں بتا دیا کہ عورتوں کے ساتھ امتیازی سلوک ہوتا تھا۔ قرآن نے مرد اور عورت میں کسی قسم کا امتیاز نہیں رکھا۔ جہاں وہ النّاس یعنی انسان کہتا ہے، تو انسان میں مرد و عورت دونوں شامل ہیں۔

ایک دور آئے گا یعنی نظام خداوندی کا دور آئے گا، جب پوچھا جائے گا کہ اے عورتو! تم سے کس گناہ کی پاداش میں امتیازی سلوک برتا گیا تھا، تمہیں ذلیل و خوار اور رسوا کیوں کیا گیا؟ آج تمام امتیازات کو مٹا دیا گیا ہے، لہٰذا اپنے اوپر ہونے والے امتیازی سلوک اور دیگر جرائم کی خود فردِ جرم بناؤ اور پیش کرو تا کہ امتیازی سلوک برتنے والوں کو سزا دی جائے۔ ایسے دور میں عورتوں کو حقوق ملیں گے اور مرد و عورت دونوں یکساں پوزیشن میں آجائیں گے۔ قُتِلَتْ ۝ (81:9) قتل سے مراد سچ مچ مار دینا بھی ہے، اور ذلیل و خوار اور رسوا کر دینا بھی ہے۔

جسے مکتبِ مُلا مغرب کا پروپیگنڈہ قرار دے کر تضحیک کر رہا ہے وہ وقت کے تقاضے ہیں، اور اب تقاضا کر رہے ہیں کہ عورت اور مرد کا ایک ہی مقام ہو۔ قرآن کریم نے جسے فطرت کے قوانین کہا ہے، ان کو تاریخ نے زمانے کے تقاضے کہہ کر پکارا ہے۔ انسان زمانے کے تقاضوں کی رو سے ایسا کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔ اسلام کی رو سے مسلمان ایسا کرنے پر اپنے آپ کو مجبور نہیں پا رہے ہیں۔ ''اسلام'' ہی کی رو سے وہ آج بھی پاکستان کے کُچھ حصوں سے کہہ رہے ہیں کہ عورت کو ووٹ دینے کا حق نہیں۔

بنیادی انسانی حقوق Fundamental Human Rights میں U.N.O. نے ہیومن میں عورت اور مرد دونوں کو شامل کیا ہے اور U.NO. کے چارٹر پر تمام مسلمانوں نے دستخط کیے ہوئے ہیں۔ وہ مسلمانوں سے اور دیگر اقوام سے عورتوں کے حقوق کے متعلق پوچھتے رہتے ہیں، ورنہ کوئی مسلمان ملک عورتوں کو حقوق دینے پر تیار نہیں ہے۔ لہذا میری بھی مکتبِ مُلا سے درخواست ہوگی کہ وہ قرآنی تعلیمات کے موافق اپنے رویہ پر نظر ثانی کریں اور عورت کو کمتر حیثیت سے پیش کرنے کی روش سے اجتناب کر لیں۔ اگر وہ باز نہ آئے تو زمانہ کے تقاضوں کی یلغار سے اپنی رہی سہی اہمیت سے بھی ہاتھ دھو لیں گے۔

تیئسویں دلیل:

روایتی اسلاف سے مُنتقل علوم کی روشنی میں۔

ہمارے دلائل کا اب تک محور قرآن کریم رہا ہے، لیکن اِس کا رُخ موڑ کر احادیث کی روشنی میں مرد و زن کے یکساں درجات ہونے کے تصور پر کاری ضرب لگاتے ہوئے مُجھ سے یوں وضاحت مانگی گئی ہے کہ

محترم ڈاکٹر صاحب: آپ نے قرآن اور صرف قرآن کی روشنی میں مرد و زن کی یکساں حیثیت کا تعین تو کر دیا، لیکن رسول کی سُنت جو احادیث صحاح ستّہ کے ذریعہ ہم تک دین کے بنیادی مآخذ کی شکل میں پہنچی ہے، اُسے آپ نے نظر انداز کر کے ادھوری بات کر کے ہمیں حقیقت تک پوری رسائی نہیں پہنچائی ہے۔

آیئے! آپ سُنت کی روشنی میں جاننے کی کوشش کریں کہ عورت کے معاشرتی و سماجی کردار کے حوالے سے پیغمبرِ اسلام خود کیا سوچ رکھتے تھے اور اس موضوع پر امت کے لیے ان کے کیا احکامات و ارشادات موجود ہیں۔

اِس ضِمن میں محترم سوال کنندہ نے بُہت سے اقوال ہمارے سامنے رکھے، جو حقیقت سے آگاہی دینے کے لئے بُہت مجبوری کی حالت میں یہاں صرف وہ مواد آپ کے سامنے لا رہا ہوں جو اُنہوں نے کُتبِ صحاح ستّہ کے حوالہ جات سے پیش کئے تھے۔

1۔ شوہر کی اطاعت ہر حال میں لازم:

بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر آدمی اپنی بیوی کو حکم دے کہ وہ جبل احمر (پہاڑ) کو جبل اسود کی طرف منتقل کرے۔ یا جبل اسود (پہاڑ) کو جبل احمر کی طرف منتقل کرے، اس کا حق ہے کہ وہ ایسا کرے۔'' (ابن ماجہ، مشکوہ، ترغیب)

2۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول پاک نے فرمایا: ''اگر میں کسی کو سجدہ کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ شوہر کو سجدہ کرے۔'' (ترمذی، ج:1، ص:138)

3۔شوہر سے طلاق مانگنے پر جنت حرام:

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی پاک نے فرمایا: ''جو عورت اپنے شوہر سے بلا کسی ضرورت شدید و پریشانی کے طلاق مانگے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔'' (ابن ماجہ، ابوداود، ترمذی)

4۔خُلع کا مطالبہ کرنے والی عورت منافق ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''شوہر سے علیحدگی چاہنے والی خُلع کا مطالبہ کرنے والی عورت منافق ہے۔'' (مشکوٰۃ، نسائی)

5۔عورت کا گھر سے باہر نکلنا:

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عورت پردہ ہے اور عورت جب گھر سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اسے جھانکتا ہے۔عورت کے لئے اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ تقرب یہ ہے کہ وہ گھر کے کسی گوشہ میں رہے۔'' (ترمذی، طبرانی، کنز)

6۔عورتوں کا تنہا سفر کرنا:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی عورت سفر نہ کرے ہاں مگر یہ کہ اس کے ساتھ اس کا محرم ہو۔'' (طحاوی، بخاری)

7۔بناؤ سنگھار کرنے والی عورتیں:

میمونہ بنت سعدی رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو عورت اپنے شوہر کے علاوہ زینت و سنگھار کر کے چلی، قیامت کے دن سخت ظلمت و تاریکی میں رہے گی۔'' (ترمذی، جامع صغیر)

8۔شوہر کے بھائی کے متعلق حکم:

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''خبردار عورتوں کے پاس آنے جانے سے بچو۔ایک انصاری نے پوچھا دیور کے متعلق کیا حکم ہے (وہ بھابھی کے پاس نہ آئے جائے)۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ تو موت ہے۔'' (بخاری)

9۔قبروں، مزاروں پر جانے والی عورتیں:

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی جو قبروں پر جانے والی ہیں۔'' (ابوداود، ابن ماجہ)

عبدالرحمن رضی اللہ عنہ بن حسان سے مروی ہے کہ: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزاروں پر جانے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔'' (ابن ماجہ)

10۔عورت اور جوتی کا استعمال:

ابن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: ''بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا عورتیں جوتا پہن سکتی ہیں؟ انہوں نے کہا رسول

پاک نے لعنت فرمائی ہے ان پر جو عورتیں مرد کی مشابہت اختیار کرتی ہیں۔'' (ابوداود، مشکوٰۃ)

11۔عورت کے لیے امارت و دنیاوی عہدہ:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: ''جب رسول اللہ ﷺ کو خبر ملی کہ اہل فارس نے کسری کی بیٹی کو تخت شاہی پر بٹھایا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی جس نے اپنا حاکم اور والی عورت کو بنایا۔'' (بخاری، ترمذی، مشکوہ)

12۔عورتیں اور جہنم:

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جنت میں رہنے والی عورتیں کم ہوں گی (یعنی مردوں کے مقابلے میں عورتیں زیادہ جہنم میں ہوں گی)۔'' (بخاری)

13۔عورت اور فتنہ:

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے اپنے بعد عورتوں کے فتنہ سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں چھوڑا جو مردوں کو تکلیف دہ ہو۔'' (مشکوٰۃ)

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "دنیا سے بچو اور عورتوں سے بچو۔ بنی اسرائیل میں پہلا فتنہ عورتوں کے سبب سے تھا۔" (مشکوٰۃ)

14۔عورت اور نحوست:

ہم سے ابوالیمان نے بیان کیا، کہا ہم کو شعیب نے خبر دی، ان سے زہری نے بیان کیا، انہیں سالم بن عبداللہ نے خبر دی اور ان سے عبداللہ بن عمرؓ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہؐ سے سنا، آپ نے فرمایا تھا کہ نحوست صرف تین چیزوں میں ہوتی ہے۔ گھوڑے میں، عورت میں اور گھر میں۔ (صحیح بخاری، کتاب الجہاد، حدیث نمبر 2858)

15۔ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نحوست تین چیزوں میں ہے۔ عورت، گھر اور گھوڑے میں۔'' (مشکوٰۃ، ابن ماجہ)

16۔عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی بیوی، خادم یا جانور حاصل کرے تو اسکی پیشانی پکڑ کر کہے: ''اے اللہ میں اس کی بھلائی آپ سے مانگتا ہوں۔ آپ کی پناہ مانگتا ہوں اس کے شر سے اور اس کی خلقت وطبیعت کے شر سے۔'' (ابن ماجہ)

17۔عورت کو مارنا پیٹنا:

اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دعوت کے روز جب رات ڈھلنے لگی تو آپ نے کھڑے ہو کر اپنی عورت کو مارا۔ میں ان دونوں کے درمیان آ گیا۔ جب وہ اپنے بستر پر جانے لگے تو مجھ سے کہا: یاد رکھ! نبی ﷺ فرماتے تھے کہ مرد سے اپنی بیوی کو مارنے کے متعلق سوال نہ کیا جائے گا۔'' (ابن ماجہ)

18۔حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا، رسول اللہ ﷺ عید الاضحیٰ یا عید الفطر میں عیدگاہ تشریف لے گئے۔ وہاں آپ ﷺ عورتوں کے پاس سے گذرے اور فرمایا، اے عورتوں کی جماعت صدقہ کرو کیونکہ میں نے جہنم میں تم کو ہی زیادہ دیکھا ہے۔ انہوں نے کہا، یارسول اللہ ﷺ کیوں؟، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم لعن طعن بہت کرتی ہو اور شوہر کی ناشکری کرتی ہو باوجود عقل اور دین میں ناقص ہونے کے۔ میں نے تم سے زیادہ کسی کو بھی ایک عقلمند اور تجربہ کار آدمی کو دیوانہ بنا دینے والا نہیں دیکھا۔ عورتوں نے عرض کیا کہ ہمارے دین اور عقل میں نقصان کیا ہے رسول اللہ (ﷺ)؟ آپ نے فرمایا کیا عورت کی گواہی مرد کی گواہی سے نصف نہیں ہے؟۔ انہوں نے کہا، جی ہے۔ آپؐ نے فرمایا، یہی اس کی عقل کا نقصان ہے۔ پھر آپؐ نے پوچھا کیا ایسا نہیں ہے کہ جب عورت حائضہ ہو تو نہ نماز پڑھ سکتی ہے اور نہ روزہ رکھ سکتی ہے۔ عورتوں نے کہا، ایسا ہی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہی اس کے دین کا نقصان ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب الحیض، حدیث نمبر 304)

19۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے جنت دیکھی اور اس کا ایک خوشہ توڑنا چاہا تھا۔ اگر میں اسے توڑ سکتا تو تم رہتی دنیا تک کھاتے اور مجھے جہنم بھی دکھائی گئی۔ میں نے اس سے زیادہ بھیانک اور خوفناک منظر نہیں دیکھا۔ میں نے دیکھا اس میں عورتیں زیادہ ہیں۔ کسی نے پوچھا، یارسول اللہ اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا، اپنے کفر کی وجہ سے۔ پوچھا گیا کیا اپنے اللہ کا کفر (انکار) کرتی ہیں؟۔ آپ نے فرمایا کہ شوہر اور احسان کا کفر کرتی ہیں۔ زندگی بھر تم کسی عورت کے ساتھ حسن سلوک کرو، لیکن کبھی اگر کوئی خلاف مزاج بات آ گئی تو فوراً یہی کہے گی کہ میں نے تم سے کبھی کوئی بھلائی نہیں دیکھی۔
(صحیح بخاری، کتاب الکسوف حدیث نمبر 1052)

20۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، عورت مثل پسلی کے ہے، اگر تم اسے سیدھا کرنا چاہو گے تو توڑ دو گے۔ اور اگر فائدہ حاصل کرنا چاہو گے تو اس کے ٹیڑھ کے ساتھ ہی فائدہ حاصل کرو گے۔ (صحیح بخاری، کتاب النکاح، حدیث نمبر:5184)

درجِ بالا روایات کا انتخاب ہم نے اُن صحاحِ ستّہ احادیث کی کُتب سے کیا ہے کہ جس کی ایک حدیث کا انکار کرنے پر مکتبِ مُلا کی بہت بڑی اکثریت اپنے فتاوٰی میں اُسے کافر قرار دینے میں ذرا سا بھی توقف نہیں کرتی۔ اکثریت کے فیصلوں کے قبولیت اور پوری طرح اتباع کرنے کے حق میں خصوصاً جبکہ وہ متفقہ اور تواتر سے ہوں، سبھی ائمہ کرام کا اُس کے الحق ہونے پر اتفاق ہے۔ اِس لئے کہ اُن کی منطق میں لوگوں کی اکثریت کا گمراہی میں جمع ہونا محال ہے۔

میری طرف سے پیش کئے گئے قرآنی مفہوم پر اعتراضات اور جواب:

اِس ضِمن میں مجھ سے وضاحت مانگی جارہی ہے کہ:

1۔آپ قرآنی آیات ہی کے مفہوم کو سامنے لاتے ہوئے تفسیر بالرّائے کے مُرتکب ہو رہے ہیں اور اسلاف کی روایاتی تفاسیر کو نظر انداز کر کے ہمیں مکمل آگاہی دینے میں ناکام رہے ہیں۔

2۔آپ قرآن کا لفظی ترجمہ پیش کرنے میں بھی ناکام رہے ہیں اور قرآن کا مفہوم پیش کرتے ہوئے کہیں کہیں اسلاف کے بیان کردہ تراجم سے اِنحراف کر جاتے ہیں۔اسلاف کی روایات سے منقول قرآن کی تفسیر کرنا اُمت میں مستند ہے،لیکن آپ اِن پر اِنحصار کرنے کی جگہ قرآن سے علمی دلائل سے بات کی وضاحت کرتے دِکھائی دیتے ہیں۔ آپ اپنا اِس ضمن میں کیا موقف رکھتے ہیں اور اُس کی سند کیا ہے؟

روایات پر مبنی تفسیر بالنقل کا تجزیہ:

آپ کے پہلے سوال کے جواب میں اپنا موقف بیان کرنے سے پیشتر مَیں چاہوں گا کہ روایات سے منقول تفسیر کرنے کی روش پر قرآن کا موقف جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔تفسیر بالنقل میں یہ موقف لیا جاتا ہے کہ قرآن کے پیغام کو سمجھنے کے لئے اسلاف کی پیش کردہ تفسیر کا علمی سرمایہ ہی کو منتقل کرنے پر اکتفاء کیا جانا لازمی ہے۔اِس کے بغیر قرآن کی تعلیم مکمل طور پر سامنے نہیں آسکتی۔وہ ''حَسبُنَا کِتابَ اللہ'' (اللہ کی کتاب ہمارے لئے کافی ہے) کے موقف پر شدید نکتہ چینی کرتے ہوئے اِسے باطل قرار دیتے ہیں۔اِس ضمن میں وہ اسلاف پرستی کی روش پر چلتے ہوئے قرآن سے منافی روایات پر بھروسہ کرتے ہوئے قرآن کی اِس تنبیہ کو بھی خاطر میں نہیں لاتے کہ

وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا۝ (25:30)

'' اے میرے رب! یہ جو قوم تیرے سامنے کھڑی ہے (مجھ سے اپنی نسبت رکھتی تھی)، اس نے قرآن کو مہجور کر چھوڑا تھا، تاکہ یہ ایک قدم بھی آزادی کے ساتھ نہ چل سکے۔''

لفظ مہجورا کا مفہوم:

عرب جب گائے بھینسوں کو چرانے کے لئے چراہ گاہ میں لے جاتے تھے۔جس جانور کا علم ہو کہ یہ بھاگ جاتا ہے تو وہ کرتے یہ تھے کہ ایک رسّی اس کے پاؤں میں باندھتے اور اسی رسّی کا دوسرا سرا، اس کے سینگ میں باندھ دیتے تھے، تاکہ وہ چراہ گاہ میں چلے، پھرے اور گھاس چرے، لیکن پوری آزادی کے ساتھ اس کے بھاگنے کا اندیشہ نہ رہے۔اس طرح باندھنے سے جانور بھاگ نہیں سکتا تھا، بس گھاس چرنے کے لئے چل پھر سکتا تھا۔ بندھی ہوئی رسّی جانور کو پوری آزادی کے ساتھ دوڑنے، بھاگنے نہیں دیتی تھی۔جانور بس رسّی کی لمبائی کے مطابق آہستہ آہستہ چل سکتا تھا۔یہ رسّی جانور کی آزادی کو محدود کر دیتی تھی۔اس طرح بندھے جانور کو عرب مھجور کہا کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ یہی کہہ رہے ہیں کہ اے میرے رب! یہی ہے وہ میری قوم، جس نے قرآن کو اپنے خود ساختہ عقائد و رسومات کی رسّیوں کے ساتھ جکڑ دیا تھا کہ یہ آزادی سے دو قدم چلنے کے قابل بھی نہ رہا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے امّت کا ایک ہی جرم بیان کیا کہ اس نے قرآن کو اپنے اپنے مسالک اور خارج از قرآن مواد کے تابع رکھ چھوڑا تھا۔

روایات سے منقول تفاسیر میں قرآن کی حیثیّت:

اب ہمارے سامنے تفاسیر آتی ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ اوپر تبرکاً قرآن کی ایک آیت ایسے لکھی جاتی ہے، جیسے خط کے اوپر ہم بسم اللہ کے حروف لکھ دیتے ہیں اور نیچے احادیث، روایات وفقہ کی رو سے جو جی میں آئے لکھتے چلے جاتے ہیں اور ساتھ ساتھ اسرائیلیات کے قصے کہانیاں تفاسیر میں لکھی ہوئی ہوتی ہیں۔ سند کے طور پر کوئی نہ کوئی روایت یا زیادہ عرصہ وفات پائے کسی نہ کسی بزرگ کا قول لکھا ہوتا ہے۔

عقیدہ یہ ہے کہ ان تفاسیر سے ہٹ کر اگر کوئی تفسیر لکھتا ہے، تو وہ تفسیر بالرائے ہے، یہ اس کی اپنی رائے ہے، اس کو قطعاً نہ مانو۔ سرسید احمد صاحب کی تفسیر کو، علمائے کرام نے تفسیر بالرائے قرار دے کر مسترد کر دی تھی۔

جہاں تک محترم قاری نے رسولِ اکرم کی سوچ اور احساسات کے موقف کو احادیث کی روشنی میں بیان کیا ہے، تو مَیں یہاں احادیث کے مآخذ پر کوئی فنی بحث میں پڑنا نہیں چاہتا۔ رسولِ اکرم ﷺ کے اسوہِ حسنہ کی پیروی کی خلاف ورزی کا تو سوچا بھی نہیں جا سکتا، البتہ یہ کہنا غلط ہوگا کہ احادیث میں بیان کئے گئے اقوال رسولِ اکرم رحمۃ لِلعالمین ﷺ ہی کے ہیں، بلکہ اِس کی صحیح پوزیشن یہی ہوگی کہ زیادہ سے زیادہ اُنہیں رسول سے منسوب سمجھا جائے۔

اِس ضمن میں ہم یہاں اپنی طرف سے نہیں بلکہ غیر جانبدار فرانسیسی مفکر مورس بکائے کے موقف کو پیش کرنا چاہتے ہیں۔

قرآن کی روایتی تفسیر پر مشہور فرانسیسی مُفکر کا موقف:

فرانس کے ایک سائنسدان نے کتاب لکھی ''بائبل، قرآن اور سائنس'' The Bible, The Qran and Science۔ اس کا نام مورس بکائے Maurice Bucaille ہے۔

مورس بکائے اپنی کتاب کے آخری باب (قرآن، حدیث اور جدید سائنس) میں لکھتا ہے۔

''میں آپ کو بتاتا ہوں کہ یہ مسلمان اتنی بڑی روشنی اور نعمت کے باوجود تاریکیوں کے اندر کیوں ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں۔''

اس باب میں اس نے ہماری حدیثیں دی ہیں کہ انہوں نے ان کا بیڑا غرق کیا۔ معاذ اللہ یہ نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث ایسی ہے۔ اس کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس نے ان کو گھڑی گئی روایات کہا ہے۔ وہ ایک طرف تو وضعی روایات دیتا اور پھر اس کے مقابل بائبل کے بیانات دیتا، اور پھر کہتا کہ دیکھ لو یہ دونوں ایک ہی ہیں۔ جہاں سے بائبل والوں نے لی ہیں، وہیں سے انہوں نے بھی لی ہیں۔ عیسائیوں نے روایات کو خود ہی وضع کیا ہے، اور بائبل کا حصّہ بنا دیا۔ اِدھر مسلمانوں نے بھی روایات کو خود ہی وضع کیا۔ خدا کی حفاظت کی وجہ سے، ان روایات کو قرآن کا حصّہ تو نہ بنا سکے، مگر قرآن کے ساتھ ایک اور قرآن بنا دیا۔ یہ ہیں وضعی روایات، جو دونوں کے ہاں موجود ہیں۔''

وہ کہتا ہے کہ قرآن عین علم اور حکمت اور تحقیق کی کسوٹی پر پورا اترتا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ بائبل والے تو اس کا دعویٰ ہی نہیں کرتے کہ ان کی بائبل لفظاً لفظاً وہی ہے، جو ان کے انبیاء کرام علیہم السلام کو ملی تھی۔ اس کے برعکس ان مسلمانوں کے پاس تو

لفظاً لفظاً وہی قرآن ہے، جو ان کے نبی کو دیا گیا تھا، مگر ان مسلمانوں کو کیا ہوا ہے؟ وہ بتاتا ہے کہ بائبل اور روایات تحقیق کے میدان میں ایک ہی سطح پر کھڑے ہوئے ہیں اور یہ سطح مذہب (پرستش) کی سطح ہے، دین (نظام) کی سطح نہیں ہے۔

مورس بکائے سائنسدان تھا، اس لئے، اس نے سائنسی انداز میں تحقیق کی۔ یہ لوگ کسی کے مقلّد نہیں ہوتے، بلکہ وہ اپنی خالص تحقیق کی بنا پر ایک نتیجے پر پہنچتے ہیں۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کے متعلق کہا کہ یہ کتاب لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ (6:105)، لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ (2:164)، اور لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (13:3) کے لئے ہے۔

ہمارے ہاں تو بہت پہلے، مقلّد اور غیر مقلّد کی تقسیم ہوگئی تھی۔ دراصل یہ دونوں ہی مقلّد ہیں۔ مقلّد کسی امام کی فقہ کی تقلید کرتے ہیں اور جو اپنے آپ کو غیر مقلّد کہتے ہیں وہ امام بخاری اور دیگر جامعین حدیث کی تقلید کرتے ہیں۔ جن اقوال کو جامعین حدیث نے، رسول اللہ ﷺ کی حدیث کہہ دیا، وہ ہزار سال سے چلی آ رہی ہیں، اور ان کی تقلید ہو رہی ہے۔ کوئی نہیں سوچتا کہ رسول اللہ ﷺ کے 200۔300 سال بعد بغیر کسی تحریری ریکارڈ کے انہیں اقوال رسول ﷺ کہاں سے ملے؟ لوگوں سے 200۔300 سال بعد گلیوں میں سن سن کر نہ جانے کن کن کے اقوال کو جمع کیا گیا، اور پھر انہیں رسول اللہ ﷺ سے منسوب کر دیا۔ چاہے مقلّد ہوں یا غیر مقلد، دونوں ہی مقلد ہیں۔ ایک امام کی تقلید کرتا ہے، تو دوسرا جامعین حدیث کی۔ دونوں کے ہاں بات ایک شخصیّت پر کھڑی ہو جاتی ہے، جسے آخری سند مانا جاتا ہے۔

مقلّد کسی قسم کی تحقیق نہیں کر سکتا، کیونکہ تقلید میں علم کا کوئی کام نہیں، عقل اور فکر و دانش کا وہاں کوئی کام نہیں ہوتا۔ وہاں تو صرف تقلید کرنا ہوتا ہے کہ فلاں محدث کی کتاب میں یوں لکھا ہوا ہے اور فلاں امام نے یوں کہا ہے اور چل پڑتے ہیں ان کے مطابق عمل کرنے۔ یہ رُکی ہوئی زندگی ہے، جمیم کی زندگی ہے۔ انسانی علم تو لحہ بہ لحہ، لحظہ بہ لحظہ پھیلتا چلا جا رہا ہے۔ ہزار، پانچ سو سال پہلے لکھی گئی تفاسیر میں یہ لکھ دیا جاتا کہ انہیں ایسا ہی سمجھ آیا ہے تو کوئی اعتراض کی بات نہ تھی۔ اعتراض تو اس پر ہے کہ نہ جانے کن کن کے اقوال کو رسول اللہ ﷺ سے منسوب کر کے، ان کی رو سے تفاسیر کی گئیں۔ زمانے کا علم آگے بڑھتا چلا جا رہا ہے اور یہ ان تفاسیر ہی کو حرف آخر سمجھے چلے آ رہے ہیں۔ اس طرح نہ علم آگے بڑھ سکتا ہے، نہ فکر کی سطح بلند ہو سکتی ہے، اور نہ قرآن کا مفہوم سمجھ میں آ سکتا ہے۔

ایسے اقوال پر مبنی احادیث کے بارے میں ہمارے دینی سکالر و مفکر محترم سر سید احمد خاں اور علامہ پرویز دونوں کا دو ٹوک موقف یہی ہے۔

سر سید احمد خاں فرماتے ہیں کہ:

''نبی اکرم کی سیرتِ مقدسہ، شرف و عظمتِ انسانیت کی معراج کُبریٰ ہے۔ یہی وہ پاکیزہ سیرت ہے جو تمام نوعِ انسانی کے لئے بہترین نمونہ ہے۔ حضورِ کریم ﷺ کی سیرتِ طیبہ کا جو حصہ قرآن کریم کے اندر محفوظ ہے، اس کے قطعی یا یقینی ہونے

میں کسی قسم کا شبہ نہیں۔ باقی رہا وہ حصہ جو قرآن کریم کے باہر ہے سو اس میں کوئی بات ایسی ہے جو قرآن کے خلاف جاتی ہے یا جس سے حضور کی سیرت پر طعن پایا جاتا ہے تو ہمارے نزدیک وہ غلط ہے۔ اسے رسول کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ یہی اصول صحابہ کبارؓ کی سیرتِ مقدسہ کے سلسلے میں سامنے رکھنا چاہیے۔

محترم پرویز صاحب نے بھی قرآنی تحریکِ طلوعِ اسلام کے مقاصد میں یہی موقف رکھا کہ:

جہاں تک حدیث کا تعلق ہے، ہم ہر اُس حدیث کو صحیح سمجھتے ہیں جو قرآن کریم کے مطابق ہو یا جس میں حضور اکرم ﷺ یا صحابہ کبارؓ کی سیرت داغدار نہ ہوتی ہو۔''

احادیث کی کسی بھی حیثیت سے انکار مکتبِ مُلا کی طبعیت پر ناگواری کے تاثرات کو جنم دینے کے لئے کافی ہے اور اسی وجہ سے ہمارے عُلمائے کرام کو ان حضرات کو مُنکرِ رسول گردانتے ہوئے کافر قرار دینے میں ذرہ بھر بھی تامل نہیں ہوتا۔

سر سید احمد خاں کو مُنکر حدیث رسول کے اعلان میں عُلمائے کرام یہ بھی بھول گئے کہ ولیم میور کی تصنیف سے رسول اکرم ﷺ کی شخصیت پر لگے ہوئے داغ دھونے کے لئے وہ قرض لے کر اور سب کُچھ پیچھے چھوڑ کر لندن چلے گئے۔ وہاں اُنہوں نے پبلک لائبریری میں برسوں وقت صرف کر کے رسولِ اکرم ﷺ کی پاکیزہ اور منزّہ سیرت کو سامنے لاتے ہوئے سر ولیم میور کی تصنیف کا رد لکھ کر سُکھ کا چین لیا۔

اِسی طرح اُنہوں نے محترم پرویز صاحب کی پُکار پر کان دھرنے کی ضرورت محسوس نہ کی جس میں وہ برملا اظہار کرتے دکھائی دئے کہ:

''میں کبھی کبھی قرآن کی تفسیر میں اختلافات دیکھ کر خود قرآن کے الہٰ کے کلام ہونے پر شک میں مبتلا ہو جاتا تھا۔ جس چیز نے مجھے اندھیروں میں جانے سے روکا وہ حضور اکرم ﷺ کی شخصیت تھی۔ میرا یقینِ کامل تھا کہ حضور جیسی پاکیزہ شخصیت جھوٹ نہیں بول سکتی۔ وہ اگر یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم اللہ کا کلام ہے تو خدا کی قسم ایسا ہی ہے۔ مُجھ ہی سے سمجھنے میں کوتاہی ہو رہی ہے۔''

لہٰذا ہمیں چاہئے کہ سوال کنندہ نے جن رسول سے منسوب اقوال کا بیان کیا ہے، اُن کا بغیر تعصب از سرِ نو منطقی اور تنقیدی اصولوں کی روشنی میں جائزہ لیں کہ کیا یہ اوپر بیان کئے گئے اقوال ہمارے رسولِ کریم ﷺ کی شخصیت کو داغدار کرنے کا موجب تو نہیں ہو رہے۔ اگر جواب مُثبت میں ہو جو کہ میرے خیال میں درجِ بالا روایات دیکھ کر ہونا چاہیے، تو اِن سبھی روایات کا انکار کرنے میں کسی قسم کے تامل سے کام نہیں لینا چاہیے۔

اسی روش پر چلنے کی تاکید ہمیں قرآن میں بھی ملتی ہے کہ:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۝ (17:36)

کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمھیں علم نہ ہو۔ یقیناً تمھاری سماعت و بصارت اور دل (Mind) ''یعنی انسان کے اپنے ہی ذرائع علم، سب ہی کی باز پُرس ہونی ہے۔

قرآن نے اس کے علاوہ بڑے واضح انداز میں اُمت کی آرا کو انسان پر مسلط کرنے سے روکا ہے۔

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۖ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۖ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ (2:134)

یہ امت تو گزر چکی ہے جو انھوں نے کیا تھا وہ اُن کے لیے ہے اور جو تم کرو گے تمھارے لیے ہے اور اُس کے متعلق تم سے باز پرس نہ کی جائے گی جو وہ کرتے تھے۔

''اِس طرح قرآن نے تو واضح طور پر اُمتِ سلف کی آراء کی سند کو نظر انداز کرتے ہوئے خدائی ہدایات کی روشنی میں صرف اور صرف عقلی ذرائع علم سے کام لینے کی طرف راہنمائی فرمائی ہے۔''

جہاں تک اسلاف کا اکثریت کے کئے گئے فیصلوں کو ماننے کا تعلق ہے، خصوصی طور پر جبکہ وہ تواتر سے آرہے ہوں تو یہی اصول آج کل سیاست میں بھی اپنایا جارہا ہے۔ خصوصی طور پر جمہوریت میں جس بات کا اکثریت فیصلہ سُنا دے اُسے صحیح قرار دیا جاتا ہے۔ جب امریکہ کی پارلیمنٹ نے کثرت رائے سے یہ فیصلہ کر دیا کہ شراب ناجائز ہے تو وہ ناجائز قرار پا گئی اور اس کا استعمال حرام۔ اور جب دوسری مرتبہ وہاں کی آراء کی کثرت اس طرف چلی گئی کہ شراب جائز ہے تو شراب جائز قرار پا گئی اور اسکا استعمال حرام نہ رہا۔ گویا قرآن کی تعلیم کے برعکس الحق کی حیثیت مُطلق نہ رہی بلکہ لوگوں کی اکثریت کے بل بوتے فیصلوں کی بنیاد پر اضافی کر دی گئی۔

ائمہ صحاح ستّہ اور مغربی جمہوریت کے موقف کے برعکس ہم قرآن سے متعدد مقام پر یہ ہدایت پاتے ہیں کہ:

وَإِن تُطِعْ أَكْثَرَ مَن فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ (6:116)

ترجمہ: اگر تم لوگوں کی اکثریت کا اتباع شروع کر دو، تو یہ چیز تمہیں خدا کی راہ سے ہٹا کر گمراہ کر دے گی۔

مَیں طوالت سے بچنے کے لئے قرآن سے مزید پچاس سے زیادہ ایسے حوالے دینے سے اجتناب کر رہا ہوں، جن میں تواتر سے بہت ہی بڑی اکثریت کے فیصلوں کی بنا پر الحق ہونے کی دلیل کے دعوٰی کو باطل اور اس سے گمراہ ہونے کی حقیقت مکمل طور پر واضح ہو جاتی ہے۔ حق، حق ہوتا ہے اور باطل، باطل چاہے لوگوں کی بہت بڑی اکثریت اس کے خلاف فیصلہ دے۔

قرآن کے مفہوم پر ہی حَسبُنَا اللہ کے تحت انحصار کرنے کی روش:

باقی رہا قرآن کے عمومی تراجم سے ہٹ کر مفہوم کی شکل میں وضاحت کرنے کا سوال تو اب ہم آپ کے دوسرے سوال کی طرف آتے ہیں۔ میں آپ سے پوری طرح سے مُتفق ہوں۔ کہ میرے مقالہ میں انحصار اس بات پر کیا گیا ہے کہ اِن میں قرآن کریم کا لفظی یا پھر سادہ ترجمہ نہ دیا جائے بلکہ اِس کا مفہوم بیان کیا جائے۔

قرآن کا ترجمہ قرآن کے مفہوم کو واضح کر ہی نہیں سکتا:

حقیقت یہ ہے کہ قرآنِ کریم کا ترجمہ، خواہ وہ دنیا کی کسی زبان میں کیوں نہ ہو، قرآنی مفہوم کو واضح کر ہی نہیں سکتا۔ یہی موقف امام ابن قتیبہ نے اپنی کتاب القرطین اور مشہور مستشرق گِب (H.A.R.Gibb) نے اپنی کتاب (Modern

trends in Islam) میں پیش کیا ہے۔

لہٰذا کرنے کا کام یہ ہے کہ:

1۔ عربی زبان کی مستند کتبِ لغت وتفاسیر کی مدد سے، قرآنِ کریم کے تمام الفاظ کے معانی، پوری وسعت اور جامعیّت کے ساتھ متعین کئے جائیں۔ اس کے لئے جہاں تک پیچھے جا سکتے ہوں، جائیں، تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ نزولِ قرآن یا اس کے قریب تر زمانہ میں اِن الفاظ سے بالعموم کیا مفہوم لیا جاتا تھا۔

2۔ پھر یہ دیکھا جائے کہ قرآنِ کریم نے اِن الفاظ کو کن کن معانی میں استعمال کیا ہے۔ قرآن کریم کا انداز یہ ہے کہ وہ ایک بات کو مُختلف مقامات پر بیان کرتا ہے اور ان تمام مقامات کو بیک وقت سامنے لانے سے اِن الفاظ کا مفہوم سامنے آتا ہے۔

علاوہ ازیں جن الفاظ کو قرآن کریم نے بطور اصطلاحات استعمال کیا ہے، اِن کا مفہوم بھی قرآن سے متعین کیا جائے اور دیکھا جائے کہ وہ اِن جامع اصطلاحات سے، اپنی تعلیم کے کس قسم کے تصورات پیش کرتا ہے۔

اگلے مرحلہ میں قرآنی الفاظ کے جو معانی اس طرح متعین کئے گئے ہیں، اُن کی رو سے، آیاتِ قرآنی کا مفہوم متعین کیا جائے۔ لہٰذا قرآنی آیات ترجمہ سے واضح نہیں ہو سکتی، اس لئے اِن کا مفہوم بیان کیا جائے خواہ یہ زیادہ جگہ کیوں نہ گھیر لے۔

ہمارے ہاں قرآن کا ایک خاص مفہوم متعین ہو چکا ہے، اور عرب ہوں، یا غیر عرب، ہر جگہ وہی متعین مفہوم رائج ہے۔ قرآن کے الفاظ تو بے شک وہی ہیں، لیکن ان الفاظ کا مفہوم، عجمی تصورات پر مبنی ہوتا ہے۔ جب قرآن نازل ہوا، تو ان اصطلاحات میں سے کسی کا وجود نہیں تھا، جو بعد میں فقہ، روایات، تصوف اور کلام وغیرہ کی رو سے پیدا ہوئیں، اور آہستہ آہستہ، دین کا جز بنتی چلی گئیں۔ لہٰذا، عجمی تصورات کے تحت جو کچھ سمجھا جاتا ہے، وہ درحقیقت قرآن کا مفہوم نہیں ہوتا بلکہ وہ غیر قرآنی مفہوم ہوتا ہے۔ قرآن کے الفاظ کا مفہوم سمجھنے کا صحیح طریق یہ ہے کہ عجمی مفہوم کو صَرفِ نظر کر کے دیکھا جائے کہ محاورہ ءعرب میں اس کا کیا مفہوم لیا جاتا تھا، پھر دیکھا جائے کہ قرآن کریم میں یہ لفظ کہاں کہاں استعمال ہوا ہے، ان سب مقامات کو جمع کر لیا جائے تو تصریف آیات کی رو سے تدبر کرتے ہوئے کسی خاص مقام پہ کسی خاص لفظ کا صحیح قرآنی مفہوم ہمارے سامنے آجاتا ہے۔

یاد رہے کہ قرآن کے نہ صرف الفاظ محفوظ ہیں بلکہ معانی اور مفہوم بھی اپنے طریق تصریف آیات کی رو سے قرآن نے قیامت تک کے لئے خود متعین کر دیئے ہیں۔

عربی زبان کے الفاظ کی بنیاد مادے ہوتے ہیں، ہر مادہ کے بنیادی معنی ہوتے ہیں۔ مادوں سے جتنے بھی لفظ بناتے چلے جائیں گے، مادہ کے بنیادی معنی ہر لفظ میں جھلکیں گے۔ یہاں تک کہ مختلف ابواب کی مختلف خصوصیات ہوتی ہیں، لیکن مادہ کے بنیادی معنی ابواب میں بنائے گئے الفاظ میں بھی نظر آئیں گے۔ جو لفظ بھی آپ کے سامنے آئے، اس کے باب کو دیکھیے اور اس کے مادہ Root کو دیکھیے۔ ان دونوں کو ملانے سے اس کا ایک متعین مفہوم آپ

کے سامنے آجائے گا۔ اس زبان میں یہاں تک بھی ہے کہ فلاں فلاں دو حرف اکٹھے آجائیں تو اس کی خصوصیت یہ ہوگی یعنی جن الفاظ میں وہ دو حرف اکٹھے آجائیں تو ان میں وہی خصوصیت ہوگی جو ان دو حرفوں کے اکٹھے ہونے سے بتائی گئی ہے۔ یہ تھی وہ زبان جس میں قرآن نازل ہوا۔

قرآن کو سمجھنے کے لئے پہلے تو یہ دیکھا جائے کہ لفظ کا مادہ کیا ہے اور اس مادہ کے کیا وہ بنیادی معنی ہیں، جو نزول قرآن کے وقت عرب لیتا تھا؟ دوسرا یہ دیکھا جائے کہ جو بات ایک مقام پہ آئی ہے اس کے متعلق دوسرے مقامات پر کیا مزید وضاحت آئی ہے۔ اس کو قرآن کا تصریف آیات کا انداز کہتے ہیں۔

قرآن الحکیم پر غور و فکر کی شرط ہر دور کے لیے لازم ہے:

قرآن سمجھنے کے لیے مادہ کے بنیادی معنی اور تصریف آیات کے علاوہ تیسری چیز، تدبر فی القرآن (4:82) ہے یعنی قرآن کو سمجھنے کے لئے غور و فکر سے کام لینا۔ آپ کو تقریباً ہر صفحہ پر علم و بصیرت اور عقل و شعور سے کام لینے اور غور و فکر کرنے کی تاکید ملے گی۔ تدبر کا حکم نہ تو کسی خاص فرد کے لئے ہے، اور نہ ہی کسی خاص زمانے کے لیے۔ تدبر فی القرآن تو تمام افراد کے لیے اور تمام زمانوں کے لیے ہے۔ اس لیے قرآن کو تقلیداً سمجھا ہی نہیں جا سکتا، نہ ہی کسی ایک فرد کا تدبر و تفکّر دوسرے کے لیے سند اور حجت ہو سکتا ہے۔ لہٰذا یہ بات نہیں ہے کہ کسی خاص زمانے میں کسی خاص فرد نے قرآن مجید کی جو تفسیر لکھ دی تھی، وہی ہمارے لیے بھی کافی ہو۔ قرآن تو ہر زمانے کے مسلمان کو، ہر زمانے کے انسان کو دعوت دیتا ہے کہ وہ خود قرآن کریم پر غور و فکر کرے، اس لیے کسی فرد کا تدبر و تفکر دوسرے کے لیے سند اور حجت نہیں ہو سکتا۔

بہر حال قرآن کریم سے استفادہ کرنے والے کے لیے وقت کے تقاضوں اور اپنے زمانے کے علوم سے واقف ہونا بھی ضروری ہے۔ جس شخص کو یہ معلوم ہی نہ ہو کہ اس کے زمانے کے انسانی تقاضے کیا ہیں تو وہ قرآن سے کیا راہ نمائی حاصل کر سکے گا؟ اس بات سے یہ حقیقت بھی سامنے آجاتی ہے کہ جس طرح ایک فرد کا تدبر فی القرآن دوسرے کے لیے سند اور حجت نہیں ہو سکتا، اسی طرح جو کچھ قرآن کے متعلق کسی ایک زمانے میں سمجھا گیا ہو، وہ بھی حرفِ آخر نہیں ہو سکتا۔

جوں جوں علمِ انسانی بڑھتا چلا جائے گا، توں توں نت نئے قرآنی حقائق واضح ہوتے چلے جائیں گے۔ قرآن سمجھنے کے لیے جو شرائط خود قرآن نے مقرر کی ہیں، اگر ان کے مطابق قرآن میں تدبر کیا جائے، تو اس کے کسی حکم کی دو تعبیرات نہیں ہو سکتیں، کیونکہ قرآن تو اپنے من جانب اللہ ہونے کا ثبوت ہی یہ دیتا ہے کہ اس میں کوئی اختلافی بات نہیں ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ قرآن کریم میں کچھ تو احکام و قوانین ہیں اور کچھ حقائق بیان ہوئے ہیں۔ احکام و قوانین کے لئے

تو ایسے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں، جن کے معانی متعین اور ٹھوس ہیں، لیکن حقائق، بالخصوص وہ حقائق، جن کا تعلق ما بعد الطبیعات Meta Physics سے ہے، انہیں تشبیہات کے انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اہل علم سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں کہ تشبیہات و استعارات سے ہر شخص اپنے اپنے فہم اور علمی سطح کے مطابق تصور قائم کر سکتا ہے۔ قائم کردہ تصورات میں اختلاف ہوگا، لیکن جہاں تک قرآنی ہدایت کا تعلق ہے، ان کی دو تعبیریں نہیں ہو سکتیں۔

یہ قوانین و احکام اسلامی نظام کی طرف سے نافذ ہوں گے۔ قوانین کی جزئیات باہمی مشاورت سے متعین کی جائیں گی اس لیے ان کی عملی جزئیات میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہوگا۔ یوں امت میں وحدت فی العمل پیدا ہو جائے گا اور قرآنی حقائق کے سمجھنے کے لیے فکری آزادی بھی قائم رہے گی۔

قرآن فہمی کے سلسلہ میں بنیادی شرط قلب و نگاہ کی پاکیزگی ہے۔

جب تک اپنے ذہن کو پہلے سے قائم شدہ نظریات، معتقدات اور تصورات سے پاک نہیں کر لیا جائے، قرآن سمجھ میں نہیں آ سکے گا۔

لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝ (56:79)

''جس کے قلب و نگاہ انسانی خیالات کی آمیزشوں سے پاک نہ ہوں، اسے قرآن سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔''

لہٰذا قرآن کریم کو بھی ہمیں ایک مکمل ذریعہ علم کے طور پر پرکھنا چاہیئے۔ اصل میں یہی رسول کی سُنت اور اُس کے متبعین کی روش ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ (12:108)

کہو: یہی میری (رسول ﷺ کی) راہ (سنت) ہے کہ میں تمہیں علی وجہ البصیرۃ دعوت دیتا ہوں، اور جو میرے متبعین ہیں، وہ بھی۔ علی وجہ البصیرت سے مراد وہ دلائل ہوتے ہیں جنہیں عقل سے غور و تدبر کر کے پرکھا جاتا ہے۔ اسی طریقہ سے ہم اپنے مُلک کی درسگاہوں میں تمام موضوعات کا علمی، تحقیقی، تنقیدی اور منطقی دریافت شدہ اصولوں کے ذرائع سے حق کے علم تلاش کرتے ہیں۔ یہ علمی اصول خود خدا نے بنائے ہوئے ہیں۔ اِن کو انسان نہیں بناتے بلکہ دریافت کر کے اُنہی کی مدد سے تسخیرِ فطرت کرتے ہیں۔

آخر میں اِس اُمید کے ساتھ اپنی معروضات کا اختتام کرتا ہوں کہ عائلی زندگی میں قرآن نے حقوقِ نسواں کے ضمن میں جو مرد و زن کے مساویانہ رویہ کا اظہار کیا ہے، وہ دنیا کے کسی مذہب میں نہیں پایا جاتا۔ شاید اسی بِنا پر علامہ اقبال کہا کرتے تھے کہ اگر مَیں مُسلمان نہ ہوتا اور میرا ایمان نہ ہوتا کہ قرآن اللہ کا کلام ہے، تو مَیں نے یہی سمجھنا تھا کہ یہ شاید کسی عورت کا لِکھا ہوا ہے۔

Manzil ba Manzil **(منزل بہ منزل)**

Chapter 4: Builder of Kaaba (*Mei'mar Haram* - معمارِ حرم) –

To leaders of Spring's caravan

(Tulu-e-Islam Convention, April, 1960) Episode No. 2

By G. A. Parwez (Translated by: M. Alam)

But you can see how this strategy of Iblis is failing. No one is interested to hear nowadays whether "*the son of Marry is dead, or is he eternally alive?*" So, from the pulpits you won't hear such things now. The world wants real solutions to life's practical problems which can only be found in the Quran. That is why even the Mullah finds himself forced to talk about the Quran in his sermons from the pulpit. Just hear the sermons of different mosques. You will find that almost every speaker will be using abusive language against the Tulu-e-Islam but the content of the sermon will be mostly based on some article of Tulu-e-Islam. So, why do they use abusive language against Tulu-e-Islam while using its content? This is because their narcissistic ego and false pride does not allow them to accept the reality. In the words of the Quran: وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ (2:206) – When they are asked to abide by the Divine Laws, their power-intoxication and false pride impels them towards greater destruction. But they have become used to deriving all the benefits from using the name of the Quran. So they keep doing it because people have deep affection for the Quran. But these Mullahs do not muster the courage to openly submit to the Quran's true message because that affects their religious profession:

The Sheikh stopped and looked around;
Then bowing his head entered the tavern!

Still better way to put it is:

Modesty heard and eyes became intoxicated;
Pious one came to the wine party unexpected!

But my dear friends, this does not mean that you should take it easy if the demand of the times is knocking out the darkness of religion. Not at all? On the contrary, this is the time for you to double your effort. See! How beautifully and pithily the Quran puts this: مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ؕ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ؕ (35:10) – Therefore if any nation desires to regain life with power, strength, superiority and respect, it should keep in mind that all this can only be achieved by following Divine Laws. The nation should also keep in mind the fundamental reality that in order to achieve further development and ascendancy towards greater heights, two things are important: 1) to have an ideology or concept of life which has the inherent capacity to grow, flourish and achieve pleasant results; and 2) righteous deeds which help lift this ideology skywards. Divine Guidance has the capability to continue growing

without any external support. However its speed is very slow compared to human scale – Allah's one day may be as long as fifty thousand years; but it speeds up when it is supported by human deeds.

An observer starts saying:

One giant step of deep passion ended the story abruptly;
I held that the Earth and heaven were stretched infinitely!

So, O torch bearers of the Quranic message in this dark period! Step forward. Signs towards the Quranic destination have started appearing. The world is waiting to hear the real message of the Quran. Make sure you do not get tired and stop for respite. Otherwise, you will feel sorry for why you stopped when the world was eager to listen to your message:

When the world was listening intently to us;
We ourselves slept in the middle of the story!

In your awakening my friends, there is secret for awakening of humankind. Therefore: قُمْ فَأَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ (74:2-5) – Arise and warn the slumbering people of the outcome of their erroneous ways of life. And establish the Order of universal sustenance so that it manifests the sovereignty of your Sustainer and shows that all greatness should only belong to Him. You too will thus attain eminence in the world. To achieve this it is very important that you purify your own conduct, character and personality; and that you keep this mission free from every kind of undesirable element. This system cannot be operated mechanically by anyone. The mission should be clean and transparent; and the vision and character of all those who participate in it should be pure. Take such companions with you and give them the training that would inculcate strength in their personalities, with which they can undertake this big responsibility with ease. They should not tremble when they are asked to rise up bearing this heavy responsibility.

We saw an example in the last convention how the demands of time are bringing the world closer and closer to the Quran and how the custodians of religion have to bow down before them. This was about the popular support for the recent land reform legislation and we saw how the religious establishment could not raise its obscurantist voice against it because despite their belief in unfettered capitalism and unlimited land ownership. This year the government has reformed a sharia law pertaining to inheritance that is now closer to the Quran. In the sharia law an orphan child cannot get any share from his deceased father's inheritance if the grandfather is still alive. The sharia also openly allows a husband marrying four wives; and gives sole authority of divorce to the husband. The wife is completely helpless in this regard. These laws have been instrumental in spreading corruption and grief in the society.

But due to popular opposition of these anti-Quran laws, the law-commission proposed reforms in these family related sharia laws as well. Although these proposed laws are not all exactly according to the Quran but they are definitely closer to it than the traditional sharia laws. And the government has accepted these laws and these will be given legal status making life easier for a vast majority of people who are suffering under weight of the current traditional sharia laws. We congratulate the government for this reform and request that it should continue to move toward the Quranic laws. We also hope that it never enacts any laws that are against the Quran. Therefore, this message must be communicated to the law-commission: that only that law could be called Islamic which is in accordance with the Quran.

***

Organization of Tulu-e-Islam movement

Now, my brothers, I want to say something about our movement. As I have been saying all along, this movement has nothing to do with any religious or political party. This is an organized effort to spread the Quranic thought. As for the Quranic thought that is presented here, if you accept it because it is my thought – i.e., your authority is that Parwez is saying this – then please remember! You have neither understood the Quran nor this movement. The authority for Quranic thought cannot be Parwez nor any other human being. I present the Quran according to my understanding. It is your duty to critically examine my explanation of the Quran and then come to your own conclusion with your own mind to see whether or not my explanation is right. If you agree then it is your own understanding of the Quran directly on the basis of the authority of the Quran, not my authority. Please listen again: the day you make any human as an authority in the دین (*Deen*) instead of the Quran, then you laid the foundation of sectarianism that day. And you already know that creating sect in دین (*Deen*) is شرک (*Shirk*) according to the Quran.

Those friends who, after due thought and understanding like this, find the message presented by Tulu-e-Islam as right form a collective unit called Bazm-e Tulu-e-Islam, whose purpose is to collaborate and coordinate their effort in an organized form to spread the Quranic thought presented by Tulu-e-Islam. It is necessary for the members of the Bazms to have loving and amicable relationships with each other. Their life should be a living example of رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (48:29) – they are kind hearted and sympathetic amongst themselves. This is only possible if they trust each other. The unity of goal creates this type of trust. It is necessary for you not to give importance to trivial differences related to this organized effort. Don't insist on your opinion to be accepted by others. Try to embrace others as much as possible in your heart.

Remember that these individual pearls of the thread have been collected with great effort. Don't try to break the thread of this bond.

But please remember! There is no point in keeping someone with you who does not agree with the Quranic thought presented by Tulu-e-Islam. Your organization is completely different from the organization of the political parties. The strength of political lies in the numbers of its members. That is the reason these parties try to do everything possible to keep their members within the party. But your organized effort is based on harmony of thought. So, if a person is not fully committed with all his heart to spread this message then there is no point in keeping him within your organization. But, on the other hand, if the Quran has entered in someone's heart, and for emergent emotional reason this person has left you, then sooner or later he will come back:

Those leaving due to some excuse;
Will come back to you somehow!

This is because he won't receive such companionship as you offer to him. However, if there is anyone, in whose heart the Quran has not entered, you cannot compel him to stay with you.

There is no control in love; because it lights an inner fire Ghalib;
It can't be lit from outside nor can it be extinguished from outside!

But you should continue your efforts so that the inner fire that is burning in your heart may also start a fire in his heart as well.

***

Day of accountability

My dear friends, there is one more important question worth pondering. You gather every year in these conventions. The question is: what is the purpose? There is no doubt that people benefit from exchanging ideas; that they benefit from networking and creating bonds of friendship; that they benefit from understanding the Quranic perspective on various aspects of life. These are very laudable objectives. But the basic goal of these conventions is something else – which is that these conventions serve as a Day of Accountability or یوم الحساب (*Yaumul Hisaab*). This means you have to assess yourself. You have to assess: to what extent the decision made at the prior convention has been achieved; to what extent the program action that was decided upon has been given practical shape; that to what extent the agenda that was agreed upon has been completed. If you did this kind of accountability then you accomplished the goal of the convention. If you didn't do this then this gathering is no more than a crowd of believers. If after the accountability, if you moved one step

ahead with program of action then you will be counted among live human beings, and our destination will get nearer. And we can be hopeful that we will reach our destination one day: ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ (45:30) – This will obviously be a great achievement! On other hand, if we see that we are standing at the same place that we were standing last year – then this will be like the state of lifeless stones, not the state of living human beings. There is no difference between being static and being dead. In the words of Allama Iqbal:

Incessantly moving ahead is sign of life;
Remaining in the same state is not life;
If your tomorrow is the same as today;
You are only clay without the fire of life!

But, God forbid, if you are in a state of life which is behind compared to last year – then the Quran's judgment is: ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ (95:5) – Then We return him to the lowest of the low state. What can we say about such a state except to say?

Ask his heart and soul whose destination today;
Is far farther than what it was only yesterday?

Therefore my dear friends, do your accountability in this gathering. And find out from the Quran whether you are to be counted among the live human beings or among the dead stones or the lowest of the low. In fact, you should do this accountability at every step of your way. Life in fact means that one should incessantly engage in accountability. If you don't do what you say you will do then you are doing poetry with life: وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ (26:226) – And the biggest difference is that their own lives are not according to what they say. They themselves do not act upon their own words. But more serious than this will be your warped psychological condition if you want praise for something that you don't do: وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا (3:188) – They like to be praised for what they did not do.

My dear friends, if this is the case then it is self-deception as well as God-deception. This must not be the case with an organization which claims to spread the Quran's message. The proof of the claim of its message should be the living results of its deeds. Please remember! In the scale of Allah the weight is of deeds not of talks. Simply talking is nothing but poetry which is unbecoming of a caller to a revolutionary message. The reality of this is the proclamation of the Quran: وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ (36:69) – We neither taught such poetry to Our Messenger, nor is it worthy of a person who has been assigned to deliver such a revolutionary and vital message.

Do come on the shoulders of my restless hopes and aspirations;
I have been watching for a very long time; for your striding way!

I am sure that your beautiful wish is also included in this, my innocent wish.

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

O our Sustainer! Accept our humble efforts because you are fully aware of what we speak and what is hidden in our hearts. (2:127)



رسالہ نہ ملنے کی صورت میں مندرجہ ذیل نمبرز پر رابطہ کریں شکریہ

Cell: 0321-4460787 Phone: 042-35714546



خریدار حضرات توجہ فرمائیں

مجلّہ طلوعِ اسلام کی درج ذیل خوبصورت جلدیں 600 روپے فی جلد علاوہ ڈاک خرچ دستیاب ہیں۔

1970ء	1972ء	1975ء	1976ء
1977ء	1983ء	1984ء	1985ء
1986ء	1987ء	1988ء	1991ء
2009ء	2010ء	2011ء	2012ء
2013ء	2014ء	2015ء	

رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں رائج تھا۔یعنی قرآن کریم کے احکام وقوانین کی اطاعت اور جن امور میں قرآن کریم نے صرف اصول دیئے ہیں ان کی چار دیواری کے اندر امت کے مشورہ سے متعلقہ امور کے فیصلے۔اس طریق کو خلافت علیٰ منہاج رسالت کہا جاتا ہے۔

8- بدقسمتی سے خلافت علیٰ منہاج رسالت کا یہ سلسلہ کچھ عرصہ کے بعد منقطع ہوگیا اور دین کا نظام باقی نہ رہا۔اس سے امت میں انتشار پیدا ہوگیا۔خلافت کے زمانے میں تمام امور دین کے نظام کے تابع رہتے تھے۔لیکن بعد میں مذہب اور سیاست میں ثنویت پیدا ہوگئی۔یہ سلسلہ اس وقت تک جاری ہے۔

9- ہمارے لئے کرنے کا کام یہ ہے کہ پھر سے خلافت علیٰ منہاج رسالت کا سلسلہ قائم کیا جائے جو امت کو احکام وقوانین خداوندی کے مطابق چلائے۔ اس نظام کی بلند ترین اتھارٹی کو مرکز ملت کہا جائے گا اور اس کی طرف سے جاری شدہ احکام کی اطاعت خدا اور رسول ﷺ کی اطاعت کے قائم مقام قرار پائے گی۔ظاہر ہے کہ اس نظام کو چلانے والوں کی اپنی زندگی سب سے پہلے قوانین خداوندی کے تابع ہوگی۔

10- چونکہ دین کا نظام (خلافت علیٰ منہاج رسالت) زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہوگا' اس لئے اس میں موجودہ ثنویت ختم ہوجائے گی۔یعنی اس میں یہ نہیں ہوگا کہ سیاسی معاملات کے لئے حکومت کی طرف رجوع کیا جائے اور مذہبی یا شخصی امور کے لئے مذہبی پیشوائیت کی طرف۔اس میں یہ دونوں شعبے باہم گرمدغم ہوجائیں گے۔

11- جب تک اس قسم کا نظام قائم نہیں ہوجاتا' امت کے مختلف فرقے جس جس طریق پر نماز' روزہ وغیرہ اسلامی احکام پر عمل کر رہے ہیں' کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ ان میں کوئی ردوبدل کرے یا کوئی نیا طریقہ وضع کر کے اسے ''خدا اور رسول ﷺ'' کا طریقہ قرار دے۔یہ حق قرآنی نظام (خلافت علیٰ منہاج رسالت) کو پہنچتا ہے کہ وہ رفتہ رفتہ امت کے اختلافات کو مٹا کر اس میں وحدت پیدا کرے۔

12- قرآنی نظام کا مقصود یہ ہے کہ خدا کی متعین کردہ مستقل اقدار کے مطابق انسان کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما ہوتی جائے۔اس کے لئے ضروری ہے کہ یہ نظام تمام افراد معاشرہ کی بنیادی ضروریات زندگی' روٹی' کپڑا' مکان' علاج' تعلیم وغیرہ بہم پہنچانے کا ذمہ دار ہو۔

13- قرآن کا نظام اپنی نوعیت کا واحد اور منفرد نظام ہے اس لئے نہ وہ دنیا کے کسی اور نظام میں جذب ہوسکتا ہے نہ ان سے مفاہمت کرسکتا ہے۔خواہ وہ مغرب کا جمہوری سرمایہ دارانہ نظام ہو' یا سوشلزم کا آمرانہ اشتراکی نظام۔اس کے نزدیک یہ سب نظام ہائے زندگی غیر خداوندی ہیں لہٰذا باطل۔

14- جہاں تک احادیث کا تعلق ہے ہم ہر اس حدیث کو صحیح سمجھتے ہیں جو قرآن کریم کے مطابق ہو' یا جس سے حضور نبی اکرم ﷺ یا صحابہ کبارؓ کی سیرت داغدار نہ ہوتی ہو۔

15- ہم رسول اللہ ﷺ کے بعد' ہر قسم کے مدعی وحی کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔

16- طلوع اسلام کا تعلق نہ کسی سیاسی پارٹی سے ہے نہ مذہبی فرقہ سے (اسے فرقہ اہل قرآن سے بھی کوئی تعلق نہیں)' نہ ہی یہ کوئی نیا فرقہ پیدا کرنا چاہتا ہے اس لئے کہ اس کے نزدیک دین میں فرقہ سازی شرک ہے۔امت کے مختلف فرقے جس طریق سے نماز' روزہ وغیرہ کی ادائیگی کرتے ہیں' ہم ان میں کسی قسم کا ردوبدل نہیں کرتے۔ہم صرف قرآن کریم کی تعلیم کو عام کرتے ہیں تاکہ کسی طرح پھر سے قرآنی نظام (خلافت علیٰ منہاج رسالت) کا قیام عمل میں آسکے۔ یہ ہے ہمارا مقصد' جسے ہم برسوں سے دہراتے چلے آرہے ہیں۔

(اشاعت کے لئے محترم ڈاکٹر انعام الحق نے تعاون کیا ہے۔)

PUBLISHED SINCE 1938 AT THE BEHEST OF ALLAMA IQBAL[R] AND QUAID-E-AZAM[R]

CPL.NO. 28
VOL. 69
ISSUE
12

Monthly
TOLU-E-ISLAM

25-B, Gulberg 2, Lahore, Pakistan
Phone. 042-35714546, 042-35753666
E-mail:idarati@gmail.com
Web:www.toluislam.com www.facebook.com/talueislam/



''اس حقیقت سے ہر مسلمان باخبر ہے کہ قرآن کے قوانین صرف مذہبی اور اخلاقی حدود تک محدود نہیں۔ گبنؔ ایک مقام پر لکھتا ہے کہ بحر اٹلانٹک سے لے کر گنگا تک ہر جگہ قرآن کو ضابطۂ حیات کے طور پر مانا جاتا ہے جس کا تعلق صرف الٰہیات تک نہیں بلکہ وہ مسلمانوں کے لئے سول اور فوجداری قوانین کا ضابطہ ہے جس کے قوانین نوعِ انسان کے تمام احوال و اعمال کو محیط ہیں اور وہ منشائے خداوندی کے مظہر ہیں۔ اس حقیقت سے سوائے جہلا کے ہر شخص واقف ہے کہ قرآن مسلمانوں کا ضابطۂ حیات ہے۔ مذہب، معاشرت، تجارت، عدالت، فوج، سول اور فوجداری کے تمام قوانین کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے، مذہبی رسوم ہوں یا روزمرہ کی زندگی کے عام معاملات، ہو یا بدن کی صفائی کا، اس دنیا میں مجرموں کی سزا کا سوال ہو یا آخرت کی عقوبت کا، ان تمام معاملات کے لئے اس ضابطے میں قوانین موجود ہیں۔ اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ ہر مسلمان کو قرآن کا نسخہ اپنے پاس رکھنا چاہئے۔''

(تقاریر و تحریراتِ جناحؒ، حصہ دوم، صفحہ 405)